مسلم خواتین کی تعلیم اور روزگار پر حجاب کے اثرات :
سرائے میر اعظم گڑھ کے پس منظر میں

ایم۔فل

کی ڈگری کے ایوارڈ کی منظوری کے لئے جزوی طور پر تکمیل شدہ مقالہ

مقالہ نگار

عائشہ طارق

نگراں

ڈاکٹر فریدہ صدیقی

اسوسیٹ پروفیسر

مرکز برائے مطالعہ سماجی اخراج اور شمولیت پالیسی

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد

2011

Influence of Hijab on Education and Employment of Muslim Women in Saraimeer of Azamgarh

Dissertation Submitted in Partial Fulfilment of the Requirement for the Award of the Degree of

MASTER OF PHILOSOPHY
(M.Phil)

by
Ayesha Tarique

Under the Supervision of
Dr.Farida Siddiqui
Associate Professor cum Deputy Director

CENTRE FOR THE STUDY OF SOCIAL EXCLUSION AND INCLUSIVE POLICY

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

HYDERABAD,(A.P.),INDIA.

2011

انتساب

اپنے شریک حیات

مبشر اعظم کے نام

جنہوں نے ہمیشہ ہر قدم پر

میرا ساتھ دیا

DECLARATION

I, do,hereby,state that the present M.Phil Dissertation ***"Influence of Hijab on Education and Empolyment of Muslim Women in Saraimeer of Azamgarh",*****submitted by me for the award of the degree of Master of Philosophy in the Centre for the Study of Social Exclusion and Inclusive Policy, Maulana Azad National Urdu University,Hyderabad,A.P., is original in nature and has been submitted only to MANUU,Hyderabad for the Award of the said degree.The present recerch work has not been awarded any diploma or degree anywhere else,nor it has been published in part or in full elsewhere.The conclusion there in are independently drawn ,based on primary and secondry sources collected by me .**

Place :......

Ayesha Tarique

Date :.......

मौलाना आज़ाद नेशनल उर्दू यूनिवर्सिटी مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی

MAULANA AZAD NATIONAL URDU UNIVERSITY

A Central University established by an Act of Parliament in 1998

(Accredited "A" Grade by NAAC)

CENTRE FOR THE STUDY OF SOCIAL EXCLUSION AND INCLUSIVE POLICY (CSSEIP)

Dated: 03. 03.2011

CERTIFICATE

*This is to certify that the dissertation entitled:"**Influence of Hijab on Education and Employment of Muslim Women in Saraimeer of Azamgarh**", submitted by **Ayesha Tarique** at the Centre for the Study of Social Exclusion and Inclusive Policy **(CSSEIP)**, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad, has been prepared under my supervision.*

She has fulfilled all the requirements laid down in the M.Phil regulation of the MANUU. The dissertation is the result of her own investigation into the subject. Neither the dissertation as a whole nor any part of it was ever submitted to any other University for any research degree.

I have gone through the draft of the dissertation and found it acceptable for submission.

Prof. Kancha Ilaiah
(Director)

Dr. Farida Siddiqui
(Supervisor)

فہرست

نمبرشمار	عنوانات	صفحہ نمبر
01	باب اول: تعارف	
1.1	تمہید	1-4
1.2	عنوان کی تشریح	4-5
1.3	مطالعہ کے مفروضے	5
1.4	مطالعہ کے مقاصد	6
1.5	مطالعہ کے طریقہ کار	6-7
1.6	مواد کے حصول کے ذرائع	8
1.7	مطالعہ کی اہمیت	8-9
1.8	مطالعہ کا وقوع: سرائے میر اعظم گڑھ	9-16
02	باب دوم : متعلقہ ادب کا جائزہ	17-23
03	باب سوم : حجاب، تعلیم اور روزگار (اسلامی نظریہ)	
3.1	مسلم خواتین اور حجاب	24-25
3.2	مسلم خواتین اور تعلیم	26-27
3.3	مسلم خواتین اور روزگار	28-29
3.4	مسلم خواتین کے دیگر حقوق	29-35

36-38	باب چہارم : ہندوستان میں مسلم خواتین کی صورتحال	04
38-40	ہندوستانی مسلم خواتین اور تعلیم	4.1
41-45	ہندوستانی مسلم خواتین اور روزگار	4.2
45-47	ریاست اتر پردیش میں مسلم خواتین کی صورتحال	4.3
48-52	ضلع اعظم گڑھ میں مسلم خواتین کی صورتحال	4.4
53-82	باب پنجم : معطیات کا تجزیہ اور تشریح	05
83-89	باب ششم : مطالعہ احوال(Case Study)	06
	باب ہفتم : اختتامیہ	07
90-93	محاصلات	7.1
94-96	نتائج	7.2
97-98	سفارشات	7.3
	کتابیات	
	ضمیمہ جات	
	سوال نامہ	

پیش لفظ

سب سے پہلے میں اس خداوندقدوس کی بارگاہ میں شکریہ کا نظرانہ پیش کرتی ہوں، جس نے مجھے اپنے ایم فل مقالہ کی تکمیل اور پیش لفظ تحریر کرنے کا حسین موقع فراہم کیا۔

کسی بھی شعبہ کی کامیابی وترقی میں تحقیق نمایاں کردارادا کرتی ہے۔ اگر تحقیق خواتین کی تعلیم کے حوالے سے کی جائے، تو وہ نہ صرف ان کی تعلیمی سماجی اور معاشی صورتحال میں بہتری لاسکتی ہے بلکہ اس سے پورے سماج میں بھی مثبت اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں نے ایک چھوٹی سی کوشش یہ جاننے کیلئے کی ہے کہ سرائے میر (اعظم گڑھ) میں مسلم خواتین کی تعلیم اور روزگار کے حوالہ سے کیا صورتحال ہے۔ زندگی کی دوسری ضروریات کے ساتھ ساتھ کیا وہاں کی خواتین کی تعلیمی تشنگی اور ترقی کرنے کی خواہش پائے تکمیل کو پہنچتی ہے۔ چونکہ حجاب وہاں کے معاشرے کا ایک لازمی حصہ ہے، لہذا میں نے اپنے مقالے کا موضوع ''مسلم خواتین کی تعلیم اور روزگار پر حجاب کے اثرات۔ سرائے میر اعظم گڑھ کے پس منظر میں'' کا انتخاب کیا۔ میری جانکاری کے مطابق ابھی تک کسی نے یہاں کی خواتین کے مسائل پر کوئی تحقیقی کام نہیں کیا ہے۔ اس لئے میں نے اس موضوع کو اپنے ریسرچ کیلئے چنا اور میری اس تحقیق کے دوران اپنے شوہر مبشر اعظم کا پورا پورا ساتھ ملا۔

میری نگراں ڈاکٹر فریدہ صدیقی صاحبہ نے موضوع کے انتخاب سے لیکر اس کی تکمیل تک قدم قدم پر میری رہنمائی کی اور مدد فرمائی۔ جس کے نتیجے میں یہ مقالہ پایہ تکمیل تک پہنچا۔ اور اس کے لئے میں انکی ہمیشہ شکر گزار رہونگی۔

میں اپنے شعبہ کے صدر پروفیسر کنچا ایلیا اور سابق شعبہ صدر پروفیسر عبدالمتین کی بھی بے حد ممنون ومشکور ہوں۔

میں اپنے دیگر اساتذہ میں سب سے پہلے جناب پی ایچ محمد کا شکریہ ادا کرتی ہوں، جنہوں نے میرے Re-Exam اور دوسرے کاموں میں مدد کی۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنے شعبہ کے دیگر اساتذہ ڈاکٹر مسعود علی خان، جناب کے ایم ضیاء الدین، ڈاکٹر ایس اے طٰحٰہ اور جناب ناگیشور راؤ کا شکریہ ادا کرنے کے ساتھ شعبہ کے غیر تدریسی اسٹاف محترمہ

محسنہ انجم، وجے کمار، محمد مصطفیٰ، جناب قیوم بابا اور محمد حیدر کی بھی بے حد شکر گزار ہوں۔

مقالہ کے آغاز سے لیکر اختتام تک مواد کی فراہمی کے تعلق سے جن کتب خانوں سے مجھے استفادہ حاصل ہوا ان میں مرکزی کتب خانہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد، سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد، عثمانیہ یونیورسٹی، اور ہمارے مرکز کے کتب خانہ ہیں، جہاں کی کتابوں، جرنلس، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے غیر مطبوعہ مقالوں سے مجھے اپنے تحقیقی مقالہ کو مکمل کرنے میں مدد ملی۔

میری تحقیق کے دوران مجھے اپنے گھر والوں کا پورا ساتھ ملا۔ میرے والدین نے تحقیقی مواد کے حصول میں کافی ساتھ دیا اور میرے دادی، دادا، امی ابو (ساس سسر) کی دعاؤں کے باعث یہ مقالہ پائے تکمیل کو پہنچا۔ میں اپنی اپی (نند) کی بھی شکر گزار ہوں، جنہوں نے دوران تحقیق میری دونوں بیٹیوں کے دیکھ بھال کی۔ میں اپنے ساتھیوں میں محمد وسیم اختر، محمد افروز عالم، سید حبیب امام قادری، محمد حسین اور محمد آفتاب عالم کی بھی بے حد ممنون ہوں، جنہوں نے مقالہ کی تکمیل میں میری ہر ممکن مدد فرمائی۔

آخر میں میں اپنے دادا (مرحوم پروفیسر اسرار احمد) کے بارے میں کہنا چاہونگی کہ انہوں نے ہی مجھے اس قابل بنایا اور میرے ایم فل میں داخلے کو لیکر سب سے زیادہ خوشی انہیں ہی ہوئی، حالانکہ اس وقت وہ ڈائلیسیس پر تھے لیکن انہوں نے کہا کہ میری عمر دس سال اور بڑھ گئی (کیوں کہ وہ تعلیم خاص کر لڑکیوں کی تعلیم کو لیکر کافی سنجیدہ تھے) لیکن افسوس کہ آج میرے دادا میرے اس مقالہ کو دیکھنے کیلئے اس دنیا میں نہیں ہیں۔

عائشہ طارق

List of Tables

Table:4.1 Population and Percentage of Muslim communities-India,2001. 37

Table:4.2 Litracy Rate of Muslims by Residence ,Sex-India, 2001. 39

Table:4.3 Litracy Rate of total Population by Religion,sex-India, 2001. 40

Table:4.4 Populaton and Proportion of Muslim Population by Sex,Sex ratio ,Percentage Increase-India.1981-2001. 41

Table:4.5 Work Participation Rate of Muslim Population by Sex ,Sex Ratio and Residence-India,2001. 42

Table:4.6 Work Participation Rate of Muslim communities by Sex-India, 2001. 43

Table:4.7 Work Participation Rate of Muslim Population by Category of work Sex-India,2001. 44

Table:4.8 Demographic and Educational Data of UP-India,2001. 45

Table:4.9 Demographic and Educational Data of Muslim Population in UP-India,2001. 46

Table:4.10 Demographic and Educational Data of Azamgarh(Up)-India,2001. 49

List of Table´

Table:5.1.1 Marital Status of Respondent 53

Table:5.1.2 Educationnal Qualification of Repondent 54

Table:5.1.3 Family Details of Respondent 55

Table:5.1.4 Income of Family of Repondent 56

Table:5.1.5 Occupation of Respondent 57

Table:5.2.1 Observing Hijab 58

Table:5.2.2 Age Of Observing Hijab 59

Table:5.2.3 Pressure for Obseriving Hijab 60

Table:5.2.4 Type of Hijab 61

Table:5.2.5 Other Girls Obseriving Hijab 62

Table:5.2.6 Friends also*Obseriving* Hijab 63

Table:5.2.7 You owe Respect 64

Table:5.2.8 Hijab as a Fashion 65

Table:5.2.9 Hijab Provides Empowerment 66

Table:5.3.1 Hijab Effects the Education 67

Table:5.3.2 Higher Education to Brother 68

Table:5.3.3 Permission to go Other city for Higher Education 69

Table:5.3.4 Types of Educational Institutions 70

Table:5.3.5 Permission of HIgher Education at Native palce 71

Table:5.3.6 No *Hijab* High Education 72

Table:5.3.7 Undestandings of Socity regarding Higher Education 73

Table:5.3.8 Non Muslim Girls are much Educated 74

Table:5.4.1 Undestandings of Socity regarding Working women 75

Table:5.4.2 No Hijab then Better Fulfilment of Duties 76

Table:5.4.3 Muslim Women Financially better than Non Muslim 77

Table:5.4.4 Permission to do Work in Diffrent Fields 78

Table:5.4.5 Respectable job for Society 79

Table:5.4.6 Favourite job of Respondent 80

Table:5.4.7 Wish to observe *Hijab* Without pressure 81

Table:5.4.8 Influence of Hijab on Education andEmployment 82

List of Graph

Graph:5.1.1 Marital Status of Respondent

Graph:5.1.2 Educationnal Qualification of Repondent

Graph:5.1.3 Family Details of Respondent

Graph:5.1.4 Income of Family of Repondent

Graph:5.1.5 Occupation of Respondent

Graph:5.2.1 Observing Hijab

Graph:5.2.2 Age Of Observing Hijab

Graph:5.2.3 Pressure for Obseriving Hijab

Graph:5.2.4 Type of Hijab

Graph:5.2.5 Other Girls Obseriving Hijab

Graph: *5.2.6* Friends also *Obseriving* Hijab

Graph:5.2.7 You owe Respect

Graph:5.2.8 Hijab as a Fashion

Graph:5.2.9 Hijab Provides Empowerment

Graph:5.3.1 Hijab Effects the Education

Graph:5.3.2 Higher Education to Brother

Graph:5.3.3 Permission to go Other city for Higher Education

Graph:5.3.4 Types of Educational Institutions

Graph:5.3.5 Permission of HIgher Education at Native palce

Graph:5.3.6 No *Hijab* High Education

Graph:5.3.7 Undestandings of Socity regarding Higher Education

Graph:5.3.8 Non Muslim Girls are much Educated

Graph:5.4.1 Undestandings of Socity regarding Working women

Graph:5.4.2 No Hijab then Better Fulfilment of Duties

Graph:5.4.3 Muslim Women Financially better than Non Muslim

Graph:5.4.4 Permission to do Work in Diffrent Fields

Graph:5.4.5 Respectable job for Society

Graph:5.4.6 Favourite job of Respondent

Graph:5.4.7 Wish to observe *Hijab* Without pressure

Graph:5.4.8 Influence of Hijab on Education andEmployment

List of Abbreviation

UNIFEM	United Nations Development Fund for Women
UNDP	United Nations Development Programmes
BWCW	Bejing World Confrence On Women
BPFA	Bejing Platform for Action
AIWC	All India Women Confrence
NFIW	National Federation of Indian Women
NPE	National Policy of Education
DPEP	District Primary Education Programme
SSA	Serve Siksha Abhiyan
SC	Scheduled Caste
ST	Scheduled Tribe

باب اول
تعارف

1.1 تمہید:

دنیا کی آبادی کا تقریباً نصف حصہ خواتین کا ہے۔دنیا کی کل آبادی (6,829,360,438) میں خواتین کی تعداد (386,509,865) ہے۔جبکہ مردوں کی تعداد (3,442,850,573)[1] ہے۔لیکن بدقسمتی سے آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی برابری کا یہ شرف ان کو زندگی کے دیگر شعبوں میں حاصل نہیں ہے۔حالانکہ پچھلے تین دہوں کے دوران ان کی زندگی کے معیار میں کافی بہتری آئی ہے ورنہ ان کی صورتحال اور بھی گئی گزری تھی۔خواتین کے حقوق کیلئے آواز اٹھانے والی تنظیموں میں سب سے اہم نام ''یونائٹیڈ نیشنس ڈیولپمنٹ فنڈ فار ویمین''(UNIFEM) کا ہے،جس کا قیام 1984 میں یونائٹیڈ نیشنس ڈیولپمنٹ پروگرام (UNDP) کے تحت عمل میں آیا۔UNIFEM کی کوششوں کا ایک اہم نتیجہ 1995 بیجنگ ورلڈ کانفرنس آن ویمن (BWCW) کی شکل میں سامنے آیا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی بلکہ ساری دنیا کی خواتین کے حقوق کی حصولگی کیلئے ایک بہت بڑا پلیٹ فارم تھا،جس میں ان کو اپنا مستقبل روشن نظر آرہا تھا کیوں کہ یہاں پر خواتین کے حوالے سے نہ صرف ماضی میں ہوئی سماجی ناانصافی و نابرابری کی تلافی کرنے کی کوشش کی گئی بلکہ مستقبل میں ان کو دہرایا نا جاسکے،اس کیلئے ہر ممکن پروگرام ترتیب دینے کے ساتھ ہی ان کو بہتر طریقہ سے نافذ کرانے کا لائحہ عمل بھی تیار کیا گیا۔بیجنگ پلیٹ فارم فار ایکشن (BPFA) میں خواتین کی صورتحال کو مستحکم بنانے کیلئے جن پہلوؤں کو اٹھایا گیا ان میں معیشت میں حصہ داری،سیاسی طور پر بااختیار ہونا،روزگار کے مواقع،تعلیم کے مواقع اور صحت سے جڑے ہوئے معاملات زیر بحث آئے اور ان کو دور کرنے کیلئے پوری دنیا کی خواتین سے وعدہ کیا گیا۔ان کو بعد میں عملی جامہ پہنانے کی کوشیش جاری ہوئیں کیونکہ خواتین کی سماجی نابرابری کو دور کرنا اپنے آپ میں ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

مسلم ممالک کی خواتین بھی ان ہی مسائل سے دوچار ہیں۔بنگلہ دیش،ملیشیاء،انڈونیشیا،مصر،پاکستان،اور ترکی وغیرہ کی خواتین بھی سماجی نابرابری کا شکار ہیں اور ہندوستان کی مسلم خواتین کے مسائل بھی دنیا کی دیگر خواتین سے الگ نہیں ہیں اور ان کو دور کرنے کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری تنظیمیں الگ الگ شکل میں برابر اپنا تعاون دے رہی ہیں۔ان

1.World Population Prospects: 2008 Revision,Department of Economic and Social Affairs,UN Statistics Division.

کی اس مہم کا سب سے اہم پہلو خواتین کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا ہے، کیونکہ اگر ایک عورت تعلیم یافتہ ہے تو وہ گھریلو ذمہ داریوں کو بخوبی انجام دینے کے علاوہ ملک کی ترقی میں بھی نمایاں کردار ادا کرسکتی ہے۔

1.1.1 ہندوستانی خواتین اور تعلیم

ہندوستان میں بھی خواتین ملک کی آبادی[2](1,198,003,272) میں مردوں کے مقابلے آدھی حصہ داری رکھتی ہیں اور ان کی تعداد(579,060,737) ہے جبکہ مردوں کی تعداد(618,942,535) ہے لیکن آج بھی ان کے ساتھ بھی تعلیم کے علاوہ دیگر شعبوں میں بھی امتیاز برتا جارہا ہے۔حالانکہ ویدوں کے زمانے میں تعلیم کی حصولیابی خواتین کے لئے بے حد آسان تھی لیکن رفتہ رفتہ ان کی سماجی حالت خراب ہوتی گئی جس کے سبب ان کی تعلیم حاصل کرنے کے حقوق بھی معدوم ہوتے گئے۔ایک لمبے عرصہ کے بعد انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کے دوران یہاں تعلیم نسواں میں دلچسپی دکھائی اور انہیں اس مہم میں یہاں کے مختلف سماجی و مذہبی رہنماؤں کا ساتھ بھی ملا جن میں راجا رام موہن رائے اور ایشور چندر ودیا ساگر وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔مہاتما جیوتی با پھولے اور باباصاحب امبیڈکر وغیرہ ان سماجی رہنماؤں میں شامل تھے جنہوں نے پسماندہ طبقات کی خواتین کی تعلیم پر زور دیا۔20ویں صدی میں ہندوستانی خواتین کی سوچ و مقام میں اور تبدیلی آئی۔خواتین جنگ آزادی کا حصہ بنیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے سیاسی اور سماجی حقوق حاصل کرنے کی راہ بھی ہموار کرتی رہیں جس کے نتیجے میں آل انڈیا ویمین کانفرنس'(AIWC)اور نیشنل فیڈریشن آف انڈین ویمینس (NFIW) جیسی تنظیمیں وجود میں آئیں۔

لیکن حقیقتاً ہندوستانی خواتین کی تعلیم و ترقی میں بہتری 1947 میں ملک کی آزادی کے بعد آئی۔حکومت نے خواتین کو تعلیم یافتہ بنانے کیلئے بہت سارے قانون اور منصوبے وضع کئے نتیجاً پچھلے تین دہوں کے دوران خواتین کی شرح خواندگی مردوں کی شرح خواندگی سے بہتر ہوئی ہے

1971 میں صرف 22فیصد ہندوستانی خواتین تعلیم یافتہ تھیں لیکن 2001 کے اختتام پر ان کی تعداد بڑھ کر 54.16 فیصد ہوگئی۔1986ء میں ہندوستان میں قومی تعلیمی پالیسی (NPE) کا آغاز کیا گیا جس میں حکومت نے Mahila Samakhya نامی پروگرام کا انعقاد کیا جس کا مقصد خواتین کی حالت کو مستحکم بنانا تھا۔

2.World Population Prospects: 2008 Revision,Department of Economic and Social Affairs,UN Statistics Division.

ہندوستان کے آئین نے بھی خواتین کو بغیر کسی مذہبی یا جنسی امتیاز کے سماج میں برابری کا درجہ دیا ہے، اس کے علاوہ ساتویں پنج سالہ منصوبہ کے تحت خواتین کو تعلیم و روزگار صحت اور فلاح و بہبود کے مواقع فراہم کئے گئے بلکہ چھٹے پنج سالہ منصوبے میں ہی خواتین کو ملک کی ترقی کی راہ میں حصہ دار کا درجہ دیا گیا۔ 1994 میں ڈسٹرک پرائمری ایجوکیشن پروگرام (DPEP) کے بعد 2001 میں سرکار نے سروسکشا ابھیان (SSA) یعنی "تعلیم سب کیلئے ضروری" جیسی مہم کی شروعات کی اور اسکو بہتر طریقہ سے لاگو کرنے کیلئے پنچایتی راج انسٹی ٹیوشن، اسکول منیجمنٹ کمیٹی، ولیج کمیٹی، اربن سلم لیول ایجوکیشن، پیرنٹس ٹیچر اسوسی ایشن وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ کامیاب بنانے کی کوشش کی تاکہ ہندوستانی خواتین بنیادی طور پر مستحکم ہو کر ملک کی ترقی میں ہاتھ بٹا سکیں۔

1.1.2 ہندوستانی خواتین اور روزگار

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں خواتین کسی نہ کسی شکل میں ملک کے اقتصادی شعبہ میں اپنا کردار بہتر طریقہ سے ادا کرتی ہیں لیکن ان کے اس جذبہ اور محنت کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور انہیں سرکاری اعداد و شمار میں شامل نہیں کیا جاتا۔ زیادہ تر خواتین جن پیشوں سے جڑی ہوتی ہیں ان میں محنت زیادہ اور آمدنی کم ہوتی ہے اور زیادہ تر عورتیں کھیتی باڑی، مزدوری اور غیر منظّم اداروں میں کام کرتی ہیں۔ زراعت کے میدان میں ان کی موجودگی 81.2 فیصد ہے جبکہ غیر منظّم اداروں میں انکی موجودگی سب سے زیادہ 96.3 فیصد ہے۔ ان ذمہ داریوں کے علاوہ ہندوستانی خواتین چاہے وہ کسی بھی شعبہ سے جڑی ہوں اپنے گھر خاندان کی بھی دیگر ضروریات (کھانا پکانا، بچوں کی دیکھ بھال اور روزمرہ کے دیگر کام) پوری کرتی ہیں۔ ہندوستانی سماج کے اعلی شعبوں میں بھی خواتین کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے۔ مردم شماری 2001 کے مطابق سروس سیکٹر میں خواتین کی موجودگی صرف 7.6 فیصد ہے اور پارلیمنٹ میں ممبر شپ 8.0 فیصد ہے حالانکہ حکومت نے خواتین کو ریزرویشن فراہم کر رکھا ہے لیکن زیادہ تر خواتین ناخواندہ اور اپنے حقوق سے ناواقفیت کی وجہ سے امور خانہ داری، چھوٹی موٹی تجارت، زراعت یا پھر مزدوری کرتی پائی جاتی ہیں اور یہ کام ایسے ہیں جن میں ان کی صلاحیت ابھر کر سامنے نہیں آپاتی اور آمدنی بھی کم ملتی ہے جس کی وجہ سے وہ معاشی طور پر کمزور پائی جاتی ہیں۔

خواتین کے ساتھ ہر جگہ سماجی وثقافتی امتیاز الگ الگ پایا جاتا ہے، جیسے کہ جنوبی ہندوستان میں خواتین کی حالت شمالی ہندوستان کی خواتین سے قدرے بہتر ہے کیونکہ شمالی ہندوستان میں Patriarchal سسٹم کے عام ہونے کی وجہ سے یہاں کی خواتین کی سماجی ومعاشی حالت کمزور ہے۔شمالی ہندوستان کی خواتین پر زیادہ سماجی دباؤ اور پابندی ہوتی ہے چاہے وتعلیم کا معاملہ ہو یا روزگار کا،(مثال کے طور پر اگر تعلیم کے حوالے سے دیکھا جائے تو جنوبی ہندوستان کی ریاست آندھر پردیش میں مسلم خواتین کی شرح خواندگی 59.1 فیصد ہے جبکہ شمالی ہندوستان کی ریاست اتر پردیش میں مسلم خواتین کی شرح خواندگی 37.4 فیصد ہے [3]) لیکن حالیہ کچھ سالوں میں خواتین کی معاشی حالت قدرے بہتر ہوئی ہے۔زیادہ سے زیادہ خواتین کو حکومت نے مختلف شعبوں میں ریزرویشن کی سہولیات مہیا کرا کے باوقار عہدوں پر فائز کیا ہے اور اس طرح وہ مردوں کے ساتھ ساتھ اپنی موجودگی درج کرا رہی ہیں۔

خواتین صرف سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں ہی نہیں بلکہ حکومت کے اہم انتظامی امور میں بھی بخوبی ذمہ داریاں نبھا رہی ہیں۔ حالیہ کچھ برسوں میں ملک کی سیاست میں بھی خواتین نے اپنی موجودگی کا احساس کرایا ہے۔خواتین نے کثیر تعداد میں پنچایتی راج سسٹم میں اپنی موجودگی درج کرا کر اپنے سیاسی اختیارات حاصل کرنے کے ثبوت دیئے ہیں اور آج کئی بڑی ریاستوں کی حکمرانی خواتین کر رہی ہیں۔

1.2 عنوان کی تشریح:

ملک کی آزادی کو نصف صدی سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے اور اس درمیان ہندوستانی خواتین تعلیمی معاشی اور سماجی سطح پر آگے آئی ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے کیوں کہ اس تصویر کا دوسرا پہلو افسوس ناک ہے۔

آج بھی حصول تعلیم عورت کیلئے بہت مشکل ہے۔ان کے تحفظ کیلئے بہت سارے قوانین تو بنائے گئے لیکن ان کا عملی نفاذ نہ ہونا اور سماجی برائیوں کی وجہ سے اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں رہا،کل ملا کر ایک عام عورت کی حیثیت میں کوئی خاطر خواہ تبدیلی نہیں آئی ہے اور مسلم خواتین کی حالت تو اور بھی بدتر ہے۔سماج میں ان کی حالت پچھڑے طبقوں (S.T.,S.C.) کی خواتین سے بھی گئی گزری ہے تو ایسے میں یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ مسلم خواتین کی ایسی حالت کیوں ہے؟ جب کہ اسلام واحد ایسا مذہب ہے جس نے خواتین کو بہتر مقام ومرتبہ عطا کیا ہے۔مرد اور عورت کے

3.Census of India, (2001) The Report on Religion.

حقوق میں کبھی فرق نہیں رکھا پھر کیا وجہ ہے کہ مسلم خواتین کی حالت آج قابل رحم ہے۔ان کی اس حالت کے پیچھے کیا وجوہات ہیں کہیں اعلی تعلیم کی کمی اس کی ایک وجہ تو نہیں۔جس نے عورت کو فیصلہ لینے کے صلاحیت سے محروم کر دیا ہے۔اس کے نتیجے میں ان کے اعتماد میں بھی کمی آئی اور انہیں پس منظر میں یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ سرائے میر (اعظم گڑھ) جہاں عموماً لوگ اسلامی تعلیمات سے بہت اچھی طرح سے واقفیت رکھتے ہیں، اچھے دینی مدارس ہیں اپنی دوسری ضروریات پر پیسے خرچ کرتے ہیں، یہاں کی صد فیصد خواتین حجاب کا اہتمام کرتی ہیں تو انہیں ساری وجوہات کی بنا پر یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جس جگہ کا معاشرہ بظاہر ایک اسلامی معاشرہ کی تصویر پیش کرتا ہے تو کیا وہاں کی مسلم خواتین باحجاب ہوتے ہوئے تعلیم و ترقی میں بھی آگے ہیں یا پھر حجاب ان کے راستہ میں روکاوٹ تو نہیں اور اسی وجہ سے ''مسلم خواتین کے تعلیم اور روزگار پر حجاب کے اثرات سرائے میر اعظم گڑھ کے پس منظر میں'' موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

1.3 مفروضے:

تحقیق میں مفروضے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ تحقیقی مطالعہ کی ابتداء میں مسئلے کے حل کیلئے ذہنی قیاس یا اندازہ لگایا جاتا ہے اس طرح کے ذہنی قیاس یا اندازے کو مفروضہ کہتے ہیں۔کرلنگر کے مطابق ''دو یا دو سے زیادہ متغیرات کے درمیان انداز بیان کا تعلق مفروضہ کہلاتا ہے''۔

کسی بھی تحقیق کیلئے مفروضوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا چنانچہ اس تحقیق کے موضوع کے لحاظ سے چند مفروضے قائم کئے گئے ہیں جن کا مقصد ان مسائل کو تلاش کرنا تھا جو کہ تحقیق کا مقصد ہیں۔

- سرائے میر جس کو کہ ''سنٹر آف اسلامک لرننگ'' کہا جاتا ہے وہاں پر لڑکیوں کیلئے بھی ایک اچھا دینی تعلیمی ادارہ ہوگا۔
- چونکہ سرائے میر کو ''منی دبئ'' کہا جاتا ہے اس لئے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہاں پر لڑکیوں کی عصری تعلیم کے بھی بہتر انتظامات ہونگے اور اس وجہ سے روزگار کے بھی بہتر مواقع فراہم ہونگے۔
- چونکہ معاشرہ اسلامی تعلیمات سے بہتر واقفیت رکھتا ہے چنانچہ وہاں کی خواتین بھی اپنے حقوق سے بہتر واقفیت رکھتی ہونگی اور باحجاب رہتے ہوئے تعلیم و ترقی کے میدان میں آگے ہونگی۔

1.4: مطالعہ کے مقاصد

- اس مطالعہ کے ذریعہ اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ سرائے میر کی مسلم خواتین کی زندگی پر حجاب کے کس طرح کے اثرات مرتب ہوتے ہے۔
- اس بات کا جائزہ لینا کہ حجاب یہاں کی مسلم خواتین کی تعلیم پر کس حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔
- مسلم خواتین کو روزگار کے سلسلہ میں کس قدر مواقع فراہم ہیں۔

1.5: مطالعہ کا طریقہ کار

تحقیق کا طریقہ کار تحقیق میں ملوث تحقیقاتی سوالات کے جوابات حاصل کرنے اور متغیرات کو کنٹرول کرنے کا ایک لائحہ عمل، ساخت اور حکمت عملی ہے۔ اصل میں یہ حاصل شدہ معطیات سے مفروضات کو جانچنے اور تجربہ کرنے کی مفصل کاروائی کا ایک بلو پرنٹ ہے۔ تحقیقی خاکہ ایک محقق کے لئے مفروضات کو جانچنے اور آزاد متغیرات کے درمیان ربط کی بابت معقول نتائج حاصل کرنے میں مدد و معاون ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر تحقیقی خاکہ کے دو مقاصد ہیں۔ اول یہ ایک محقق کو تحقیقی سوالات کے ممکنہ حد تک معقول اور درست جوابات حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے دوم تحقیقی خاکہ ایک کنٹرول میکانزم کی طرح کام کرتا ہے جو ایک محقق کی بے جا یا غیر مجاز متغیرات کو کنٹرول کرنے کے قابل بناتا ہے۔ جو کہ نتائج پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔

اس موضوع پر تحقیق کرنے کیلئے جو طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے، وہ بیانیہ تحقیق کا طریقہ کار رہا اس ضمن میں سوالنامہ، کیس اسٹڈی، اور مشاہدے کی تکنیک کو استعمال کیا گیا۔ تحقیق کا موضوع چونکہ ''مسلم خواتین کی تعلیم اور روزگار پر حجاب کے اثرات'' ہے اس لئے ریسرچ کا مرکز مسلم خواتین ہیں۔ اس تحقیق کیلئے ریاست اتر پردیش کے شہر اعظم گڑھ کے ایک قصبہ سرائے میر کا انتخاب کیا گیا ہے۔ تحقیق کے مقاصد کے حصول کی مناسبت سے اعلی تعلیم یافتہ، عصری و دینی مدرسہ ایجوکیشن سے تعلیم یافتہ خواتین کے علاوہ ملازمت پیشہ اور غیر ملازمت پیشہ خواتین کو نمونے کی حیثیت میں شامل کیا گیا اور یہ نمونہ سازی رینڈم سیمپلنگ (RANDOM SAMPLING) کے ذریعہ کی گئی ہے۔

نمونے کی گنجائش یعنی "سیمپل سائز" کو 100 نمونوں تک محدود کیا گیا۔اسکے علاوہ چھ خواتین ایسی تھیں جن کی "کیس اسٹڈی" کواس تحقیق میں شامل کیا گیا ہے ان میں طالبہ، برسر روزگار اور طلاق شدہ خاتون بھی شامل ہیں۔

سوال نامے کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جو کہ عام معلومات، حجاب کے حوالے سے معلومات، تعلیم کے حوالے سے معلومات اور روزگار پر حجاب کے اثرات پر مشتمل ہے۔

ان چار حصوں پر مشتمل سوالنامے کی تیاری میں جن مقاصد کو پیش نظر رکھا گیا ان میں پہلا مقصد تحریر یہ ہے کہ خواتین کا میریٹل اسٹیٹس، ان کا تعلیمی معیار، افراد خانہ کی تفصیلات، گھر کے ذمہ دار کی ماہانہ آمدنی، اور جوابدہ کی پیشے سے وابستگی وغیرہ کے سوالات تھے جن کا مقصد عام معلومات کے ذریعہ حالات کا صحیح تجزیہ کرنا تھا جبکہ سوالنامے کا دوسرا حصہ حجاب سے متعلق تھا جس میں حجاب کا اہتمام، حجاب لگانے کی عمر، حجاب لگانے کا دباو، حجاب کے اقسام، اطراف کی لڑکیوں اور دوستوں میں حجاب کا اہتمام، روزمرہ کی زندگی میں حجاب کی اہمیت واثرات، حجاب اور فیشن، حجاب اور خواتین کا بااختیار ہونا وغیرہ سوالات شامل تھے۔

سوالنامہ کا تیسرا حصہ حجاب اور خواتین کی تعلیم سے متعلق تھا جن میں تعلیم پر حجاب کے اثرات، تعلیم کے حوالہ سے ان میں اوران کے بھائیوں میں فرق، دوسرے شہر اور کس قسم کے تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت، غیر مسلم لڑکیوں اور مسلم لڑکیوں کے تعلیمی معیار میں فرق وغیرہ کے سوالات تھے۔

یہ سوالا نامہ تیس سوالوں پر مشتمل تھا جس کا آخری حصہ خواتین کی سماجی اور معاشی حیثیت کے پس منظر میں تھا جس میں خواتین کو روزگار کے سلسلہ میں اجازت، معاشرے کی جانب سے عزت کی نظر سے دیکھا جانا، خواتین کی نظر میں آئیڈیل پیشہ اور حجاب کی ان کی سماجی اور معاشی زندگی میں اہمیت وغیرہ کے سوالات شامل تھے۔

الغرض سوالنامہ کے ذریعہ خواتین کی مذہبی، سماجی، تعلیمی اور معاشی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔حاصل شدہ مواد کا تجزیہ کیا گیا جس کو مختلف جدول کے علاوہ گراف کے ذریعہ بھی ان کی شرح تناسب پیش کی گئی ہے اوران کے ذریعہ نتائج برآمد کئے گئے۔

1.6: مواد کے حصول کے ذرائع

کسی بھی موضوع پر تحقیق کیلئے مطلوبہ موضوع کے لحاظ سے مواد کی تلاش اور مواد کا حصول انتہائی اہم ہے مذکورہ موضوع پر تحقیق کیلئے ابتدائی اور ثانوی دونوں ماخذ کی ضرورت محسوس کی گئی چنانچہ دونوں سے استفادہ کیا گیا اور ساتھ یہ کوشش کی گئی کہ مقالہ کے ذریعہ مسلم خواتین کی تعلیم و روزگار سے واقفیت کے ساتھ ہی معلوماتی مقالہ بھی ہو اس مقصد کی تکمیل کیلئے مختلف شرعی اور تاریخی کتابوں کے ذریعہ مواد اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی۔مختلف کتابیں مضامین رسالہ اخبارات کے علاوہ انٹرنیٹ کے ذریعہ مواد جمع کیا گیا کیس اسٹڈی کیلئے راست انٹرویو بھی لئے گئے

ہندوستانی معاشرہ میں خواتین پر چہار جانب سے دباؤ ہوتا ہے اور شاید یہی وجہ رہی کہ سوالنامہ کو پر کروانے میں بہت زیادہ دقتوں کا سامنا کرنا پڑا چونکہ سرائے میر ایک حساس علاقہ ہے اور وہاں کے لوگوں میں اس بات کا خوف دیکھا گیا کہ ان کی معاشرے کی خواتین کی سوچ دنیا کے سامنے آئے گی اور ان کا نام کہیں کسی غلط جگہ نا جڑ جائے اسی وجہ دینی مدارس سے وابستہ خواتین نے اس کو پر کرنے سے انکار کر دیا کیوں کہ ان کے گھر والوں نے اس کے لئے سختی سے منع کر دیا تھا۔

1.7 مطالعہ کی اہمیت:

عورت اپنے خاندان کی ایک اکائی ہے اور خاندان تہذیب و معاشرہ میں ایک اہم ترین بنیادی ادارہ ہے اور یہ ادارہ جتنا پائیدار اور پختہ ہوتا ہے اتنی ہی اس کی تہذیب و تمدن کی جڑیں بھی مضبوط و مستحکم ہوتی ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آج کے ترقی یافتہ سماج میں اسے وہ جگہ اور مرتبہ حاصل نہیں ہے جس حسن و سلوک کی وہ مستحق ہے بلکہ اس کی تعلیم و ترقی میں ہمیشہ امتیاز برتا گیا ہے اور اس کی اس حالت کے ذمہ دار کئی عوامل ہیں جن میں سرفہرست تعلیم اور نہ صرف تعلیم بلکہ اعلی تعلیم کی کمی ہے اور اسکے اپنے حقوق سے ناواقفیت بھی ،جس نے خواتین کو شعور اور قوت فیصلہ واعتماد سے محروم کر دیا ہے کیونکہ جب تعلیم ہی نہیں تو وہ سماجی و معاشی طور پر بھی پسماندگی کا شکار ہونا ناگزیر ہے۔حالانکہ اسلام نے خواتین کو وہ سارے حقوق عطا کئے ہیں جس سے اسے معاشرہ میں باوقار مقام حاصل ہو۔(یہ حال صرف مسلم معاشرے کی خواتین کا نہیں بلکہ پوری دنیا کی خواتین اسی ظلم و تشدد کا شکار ہیں)اسی پس منظر میں اس مطالعہ کے ذریعہ اسلام نے مسلم

خواتین کو کیا حقوق عطاء کئے ہیں ان سے آگہی کرانا ہے اور اس بات کو سامنے لانا ہے کہ مسلم خواتین بھی با حجاب رہتے ہوئے اپنے خوابوں کی تکمیل کر سکتی ہیں، اور اسکے ساتھ ہی اسلامی حدود میں رہتے ہوئے ضرورت پڑنے پر روزگار کے ذریعہ معاشی طور پر ترقی کر سکتی ہیں۔ یہ مطالعہ اس لئے بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ مسلم خواتین کی اس غلط فہمی کو دور کرنا ہے کہ اعلی تعلیم اور روزگار پر صرف مردوں کی اجارہ داری نہیں بلکہ انہیں بھی کامیابی حاصل کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔

اس ریسرچ کے ذریعہ مسلم عورتوں کو اس بات سے واقف کرانا ہے کہ اسلام نے ان کو وہ تمام حقوق دیئے ہیں جن کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی۔ مسلم خواتین اپنی اسلام کے متعین کردہ حدود میں رہتے ہوئے اعلی تعلیم حاصل کر سکتی ہیں اور ضرورت کے وقت ایک اچھا روزگار حاصل کرنے میں بھی کوئی پابندی نہیں ہے بس ان کو اپنی حد معلوم ہونی چاہیئے۔ تا کہ وہ ایک اچھے معاشرہ کی ترقی میں اپنا تعاون دے سکیں ۔

1.8 مطالعہ کا وقوع: سرائے میر اعظم گڑھ

سرائے میر ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ کا مشہور قصبہ اور نگر پنچایت ہے یہ لکھنؤ سے تقریباً 250 کلومیٹر اور دہلی سے 750 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ 2001 مردم شماری کے مطابق سرائے میر کی کل آبادی 15525 ہے جس میں مردوں کی تعداد 51 اور خواتین کی 49 فیصد ہے ۔سرائے میر کی شرح خواندگی 58 فیصد ہے جو ملک کے تعلیمی میعار کے اوسط 59.5 فیصد سے کم ہے ۔سرائے میر میں 64 فیصد مرد اور 52 فیصد خواتین پڑھی لکھی ہیں۔ یہاں پر آبادی کا 21 فیصد حصہ 6 سال سے کم عمر کا ہے۔

1.8.1 تاریخی پس منظر

سید علی صوفی بن سید قوام الدین نے کھریواں کے پاس ایک بستی مرتضیٰ آباد کے نام سے 1538 میں آباد کی۔ انہوں نے پٹھانی طرز کی کالی کنکروں والی ایک عالی شان عمارت بھی تعمیر کرائی۔ یہ مقام میر علی عاشقاں سرائے میر کے نام سے بہت مشہور ہوا۔ میر علی عاشقاں اپنے زمانے میں اپنے علم وفضل ومعرفت وسلوک کی وجہ سے بہت مشہور تھے

آپ سوانہ کہ رہنے والے تھے۔ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، چچا محمد سعید نے پرورش کی اور بہتر تعلیم دینے کی بھی کوشش کی آپ نے عہد شباب میں جونپور کی طرف ہجرت کی اور شیخ قاضی شطاری، شیخ شہاب الدین، شیخ عبدالقدوس شطاری نظام آبادی، شیخ بہاوالدین عمری اور چشتی جونپوری سے علم و تصوف حاصل کی۔ اپنی تعلیم و تربیت کے بعد انہوں نے سرائے میر میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور یہیں سے ارشاد و تلقین کا سلسلہ شروع کیا، جس کا مقصد خدمت خلق تھا۔ ان کے ماننے والوں کی روایت کے مطابق سلطان شیر شاہ سوری ان کا بہت معتقد تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ 12 سال کی عمر میں جب شیر شاہ اپنی سوتیلی ماں کی وجہ سے بھاگ کر جونپور آیا تھا تو انہیں کی خانقاہ میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی اس کی تائید منتخب تواریخ کے مصنف عبدالقادر بدایونی نے بھی کی ہے۔ روایت ہے کہ جب شیر شاہ نے قلعہ روہتاس (بہار) کو فتح کیا تو جونپور والوں کو فرمان بھیجا کہ وہ روہتاس میں آ کر آباد ہو جائیں۔ لیکن حضرت شاہ آشقان نے اس کو پسند نہیں کیا اور جونپور سے ترک سکونت کر کے یہاں آئے اور اس سرزمین پر اس قصبہ کو آباد کیا۔ بہت دنوں تک یہ قصبہ روحانی مرکز کی حیثیت سے سارے ہندوستان میں مشہور رہا اور ہندوستان کے بڑے بڑے علماء وفضلاء نے اس روحانی مرکز سے تعلیم حاصل کی۔ سرائے میر کا نام پہلے مرتضیٰ آباد تھا پھر عوام الناس نے اسے سرائے میران کا نام دیا اور اب یہ سرائے میر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سید سلمان ندوی، حیات شبلی کے صفحہ 76 پر میر آشقان اور سرائے میر کے متعلق لکھتے ہیں ''شاہ گنج سے چند میل دور بہ سمت مشرق سرائے میر آتا ہے جس نے حضرت میر عاشقان کی نسبت سے سرائے میر کا نام پایا ہے۔ یہاں ان کا مزار اب تک یادگار ہے[4]۔ سرائے میر کی شہرت کا تاج ''مدرسۃ اصلاح'' ہے جس کو مولانا عبدالاحد اور مولانا شفیع صاحب نے قائم کیا۔ اور اسکے بعد مولانا شبلی اور مولانا حمیدالدین فراہی نے اس کو پروان چڑھایا۔ اس مدرسہ نے نہ صرف اپنے نصاب سے بلکہ اس کے ناظمین، معلمین اور فارغین نے پورے ملک کو اور بیرون ممالک کو بھی متاثر کیا ہے۔ یہ علاقہ بہت ذرخیز ہے اور یہاں کی شخصیات اپنے زور قلم اور حسن رقم میں یکتا و یگانہ ہے

4۔ ڈاکٹر شاہد نوخیز اعظمی (2010) ''دبستان شبلی کی فارسی خدمات''

1.8.2 سرائے میر کے مذہبی حالات

قصبہ سرائے میر میں ہندواور مسلمانوں کی آبادی تقریباً برابر ہےاور دونوں ہی اپنی اپنی مذہبی روایات پورے عقیدے کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی رسم و رواج کا احترام کرتے ہیں۔ کسی زمانے میں سرائے میر کو میر کی سرائے بھی کہا جاتا تھا کیوں کہ یہاں اس وقت کی شیعہ برادری سماج میں اچھی حیثیت رکھتی تھی لیکن آج ان کی حالت نہایت خستہ ہےاور آج ان کی تعداد یہاں پر بہ مشکل پانچ سے دس فیصد ہی بچی ہے کیوں کہ ان میں سے جو بہت اچھی حالت میں تھے وہ ایران اور لکھنؤ ہجرت کر گئے اور جو یہاں رہ گئے وہ اپنے آباؤ اجداد کی ملکیت پر گزارا کررہے ہیں۔ یہاں کے لوگ مذہبی ذہنیت کے حامل ہوتے ہیں جس کی باعث یہاں پر مذہبی تقریبات اور جلسہ اکثر ہوتے رہتے ہیں 2008 میں یہاں پر عالمی سطح کا تبلیغی اجتماع ہوا تھا جس میں کہ ملک اور بیرون ملک سے لاکھوں لوگوں نے شرکت کی تھی۔ یہاں پر لڑکوں کے دو بڑے دینی مدارس ''مدرستہ اصلاح'' اور ''بیت العلوم'' ہیں جس کی وجہ سے بھی یہاں کے لوگوں میں مذہب کے تئیں بیداری پائی جاتی ہے۔

1.8.3 سرائے میر کی تہذیبی اور سماجی حالات

سرائے میر کے تہذیب گنگا جمنی تہذیب کی آئینہ دار ہے۔ یہاں پر مختلف مذاہب اور مسلک کے لوگ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی رسم و روایات کو بہت ہی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہاں پر علی عاشقان کے روضہ پر غازی میاں کا میلا لگتا ہے جس میں ہندو اور مسلمان شرکت کرتے ہیں ۔یہاں کی خاص مسلم برادری شیخ، پٹھان، انصاری، شیخ منصوری، قریشی، شاہ (فقیر) اور چوڑیہارا ہیں۔ یہاں کے مسلمان مذہبی تعلیمات کے پابند ہوتے ہیں۔

پردہ سرائے میر کے مسلم معاشرے کا لازمی جُز ہےاور لڑکیاں اس وقت سے ہی حجاب لگانا شروع کردیتی ہیں جب ان کو اس کا صحیح معنی بھی معلوم نہیں ہوتا ہے چونکہ پردہ مذہب کے ساتھ ساتھ سماج کا بھی ضروری حصہ ہے اسلئے انہیں اپنانا ہی پڑتا ہےاور یہ بات یوں کہی جاسکتی ہے کہ ان میں سے اکثر خواتین جب سرائے کے باہر دوسرے شہر جاتی ہیں تو

ان کے پاس حجاب کی وہ شکل نہیں ہوتی ہے جو کہ سرائے میر میں (مکمل حجاب) وہ پہنتی ہیں۔مقامی سطح پر تعلیم حاصل کرنے کے بعد زیادہ تر لڑکیاں تعلیم ترک کر دیتی ہیں اسلئے ان کی شادی بھی جلدی ہو جاتی ہے۔ان کی شادی بھی زیادہ تر ایسے لڑکوں سے ہوتی ہے جو کہ بیرونی ممالک میں رہتے ہیں اور یہ مشکل دسویں یا بارہویں جماعت تک تعلیم یافتہ ہوتے ہیں اور چونکہ وہ ان کو اپنے ساتھ لے جانے کا خرچ برداشت نہیں کر سکتے ایسے میں ان کی بیویاں مائکے یا سسرال میں رہتی ہیں اور انکے شوہروں کا دو یا تین سال میں آنا ہوتا ہے، اس وجہ سے بھی ان کو اکثر دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا پڑتا ہے کیوں کہ ان کو خود ہی ساری ذمہ داریاں نبھانی پڑتی ہیں۔حالانکہ سرائے کے بازار میں خریداری کرنے والی مسلم عورتوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

سرائے میر کی ایک مقامی ڈاکٹر (فخر النساء) کے مطابق سرائے میر کے زیادہ تر مسلمان، لڑکیوں کی پیدائش پر افسوس نہیں کرتے بلکہ یہ بات غیر مسلموں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہاں کی مسلم لڑکیوں اور خواتین کا رہن سہن اور کھانہ پینا ان کی حیثیت کے مطابق بہتر ہوتا ہے سوائے اعلی تعلیم کے، کیونکہ یہاں کے اکثر لوگوں کی یہ سوچ ہے کہ ''ڈھیر پڑھ لکھ کے کا ہوئی چولھیئے میں تو موہاں جھوکے کا ہے'' اور ان کا ماننا ہے کہ لڑکیوں کیلیئے امور خانہ داری میں مہارت حاصل کرنا ہی ان کی کامیاب زندگی کی ضامن ہے۔جبکہ لڑکوں کیلیئے اعلی تعلیم کے سارے دروازے کھلے ہیں کیونکہ ان کو زندگی میں ترقی کرنا ہے اور اپنے گھر خاندان کی کفالت کرنی ہے۔

طبی سہولیات کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو سرائے میر میں صرف ایک سرکاری اسپتال ''ہما ہاسپٹل'' ہے جبکہ غیر سرکاری اسپتالوں میں صبا ہاسپٹل، سرائے میر نرسنگ ہوم، حسن ہاسپٹل وغیرہ قابل ذکر ہیں جس سے کی سرائے میر کے علاوہ آس پاس کے لوگ بھی استفادہ ہوتے ہیں۔سرائے میر میں ڈینٹل کلینک کی بھی اچھی سہولیات موجود ہیں

1.8.4 سرائے میر کے تعلیمی حالات

سرائے میر میں لڑکوں کی دینی تعلیم کے لئے مدرسہ اصلاح اور بیت العلوم ہیں لیکن جدید تعلیم کے میدان میں یہ بہت پچھڑا ہوا ہے۔اس قصبہ میں لڑکوں کیلیئے کوئی ہائی اسکول نہیں ہے اس لئے انہیں جدید تعلیم کیلیئے آس پاس کے اسکولوں اور کالجوں کا رخ کرنا پڑتا ہے۔جو اعلی تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ دوسرے بڑے شہروں

جیسے علی گڑھ، دہلی یا لکھنؤ وغیرہ کا رخ کرتے ہیں۔اس پس منظر میں سرائے میر میں لڑکیوں کی تعلیمی حالت بھی اچھی نہیں ہے کیونکہ سرائے میر میں لڑکیوں کیلئے ایک سرکاری اسکول تو ضرور ہے لیکن اس کی حالت خستہ ہے۔اس اسکول میں ہندو اور مسلمان دونوں ہی لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں لیکن عموماً دسویں جماعت کے بعد تعلیم ترک کر دیتی ہیں۔اور کچھ لڑکیاں (خاص طور پر مسلم) جن کے والدین آس پاس کے گاؤں سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں قصبہ کے قریب عائشہ صدیقہ نسواں انٹر کالج (بینا پارہ) یا فاطمہ گرلز انٹر کالج (داؤد پور) سے تعلیم حاصل کرتی ہیں اور اگر اسکے بعد کچھ کے والدین اعلی تعلیم کی اجازت دیتے ہیں تو منگراواں ڈگری کالج یا پھر شبلی کالج (اعظم گڑھ) میں (زیادہ تر پرائیویٹ) تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

سرائے میر میں لڑکیوں کی عصری اور دینی تعلیم کے لئے صرف دو اسکول ''سرسید گرلز اسکول'' اور ''جامعہ اصلاح البنات'' ہیں جہاں سے وہ بارہویں جماعت تک تعلیم حاصل کرتی ہیں کیونکہ مقامی سطح پر اس سے آگے تعلیم جاری رکھنے کیلئے کوئی ادارہ نہیں ہے۔(یہاں پر یہ دونوں اسکول بھی منظور شدہ نہیں ہیں) یہاں کے **80** فیصد لوگ اپنی لڑکیوں کو مقامی سطح پر ہی تعلیم دلوانا چاہتے ہیں اور صرف **20** فیصد یہاں سے اعلی تعلیم کیلئے دوسری جگہ بھیجتے ہیں اور ان میں بھی وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو کہ خود تعلیمی اور معاشی طور پر مستحکم ہیں۔کچھ لڑکیاں مخلوط خاندان کی وجہ سے بھی تعلیم جاری نہیں رکھ پاتیں اور کچھ معاشی مجبوری کے سبب،اور یہاں کے لوگ کچھ اس وجہ سے بھی ہچکچاتے ہیں کہ ان کی لڑکیاں شہر میں جاکر وہاں کے ماحول میں رچ بس جائینگی اور اپنی تہذیب کو بھلا کر آزاد خیال ہو جائینگی۔اسلئے یہاں کے زیادہ تر والدین اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ کیسے بھی کر کے (نقل وغیرہ) ان کی بچیوں کو ڈگری مل جائے۔

پچھلے تین سالوں میں سرائے میر میں بہت سارے کمپیوٹر انسٹی ٹیوٹ بھی قائم ہوئے ہیں جو کہ سرٹیفکیٹ کورس کراتے ہیں جس میں لوگوں کی اچھی دلچسپی ہے۔سرائے میر میں کچھ خاص اسکولوں کے نام یوں ہیں سرسید گرلز اسکول (بارہویں جماعت) ،راہل (آٹھویں جماعت تک)، سینک (پانچویں جماعت تک)،راحت (پانچویں جماعت تک) اورینٹل کیئر فیلڈ (CBSE)،سینٹ زیویئر اور دانشگاہ وغیرہ قابل ذکر ہیں،اور دینی تعلیم کے لحاظ سے جو مدارس ہیں ان کے نام جامعہ اصلاح البنات اور مدرسہ فیض العلوم قابل ذکر ہیں۔

1.8.5 سرائے میر کے معاشی حالات

''سرائے میر کو Island of Prosperity اور منی دبئی کے نام سے جانا جاتا ہے، یہاں کے لوگوں کی زراعت سے وابستگی کے علاوہ یہاں کی دوکانوں میں برانڈیڈ اور امپورٹیڈ سامان آسانی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ یہاں پر درجنوں موبائل ہینڈ سیٹ کی دوکانیں اور منی ٹرانسفر آوٹ لیٹس ہیں اور اس کے علاوہ دیگر اور کئی چیزیں ہیں جو اس قصبہ کی مالی حالت کو بیان کرتی ہیں مثلاً لگژری کاریں یہاں کی تنگ گلیوں میں نظر آجائینگی۔ یہاں کے ہر گھر کا کم از کم ایک فرد بیرون ملک میں کام کرتا ہے جس کے سبب یہاں کے لوگوں کی مالی حالت قدرے بہتر ہے۔ آعظم گڑھ سپریٹنڈنٹ رمت شرما کے مطابق'' پورے اتر پردیش میں اعظم گڑھ سے پاسپورٹ درخواست سب سے زیادہ آتی ہے اور ان میں سب سے زیادہ سرائے میر سے''۔ سرائے میر کے لوگوں کی بڑی تعداد ممبئی میں بھی روزگار سے جڑی ہوئی ہے۔ اس چھوٹے سے علاقے میں موبائل کمپنیوں کا ٹرن اوور تقریباً 15 کروڑ ماہانہ ہے جس میں سے 60 فیصد کال بیرونی ممالک ہوتی ہے۔ سرائے میر میں اعظم گڑھ کے دوسرے علاقوں کے مقابلہ سب سے زیادہ بینک شاخیں ہیں اور ایک بینک کے مہینے کا ٹرن اوور 50 ملین کا ہے اس کے علاوہ ویسٹرن یونین منی ٹرانسفر کا ٹرن اوور بھی 50 ملین کے قریب ہی ہے [5]۔''

لیکن تحقیقی مطالعہ کے بعد جو حقائق سامنے آئے ہیں وہ یہ ہیں کہ یہاں کی مالی حالت اتنی اچھی نہیں ہے جتنا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔ یہاں پر بہ مشکل 20 فیصد لوگ ہی مالی اعتبار سے مستحکم ملینگے اور ان میں سے اچھے پیسے والے صرف 2 سے 3 فیصد لوگ ہیں۔ یہاں پر ہر گھر سے نہیں بلکہ 30 سے 40 فیصد لوگ بیرونی ممالک میں روزگار کی غرض سے رہتے ہیں اور ان میں سے 80 فیصد لوگ ایسے ہیں جنکی آمدنی 10 سے 15 ہزار کے درمیان ہے۔

سرائے میر میں کشش کا مرکز یہاں کا مارکٹ بھی ہے۔ یہاں پر آس پاس کے گاؤں کے لوگوں کے علاوہ اعظم گڑھ شہر سے لوگ بھی خریداری کرنے آتے ہیں۔ یہاں روزمرہ کی زندگی کی تقریباً ہر چیز دستیاب ہے جو سامان دور دراز کے علاقوں میں نہیں ملتا وہ یہاں پر مناسب قیمتوں میں باآسانی مل جاتا ہے۔ لیکن یہاں ایک اہم بات توجہ دلانے کی یہ ہے کہ سرائے میر کی معاشی بنیاد کچھ بھی نہیں ہے۔ 1972 کے بعد جب خلیجی ممالک کے دروازے کھلے تو یہاں سے بڑی

---

5 .TheTimes of India(Sep,25,2008) "A Cocktail of Religion & Riches "

تعداد میں لوگ روزگار سے سلسلہ میں گئے اور اپنے ساتھ وہاں سے امپورٹیڈ سامان لانے کا سلسلہ شروع ہوا جو کہ اُس وقت مقامی اور آس پاس کے لوگوں کیلئے نایاب تھا اور اس طرح سے یہ سلسلہ چلتا گیا حالانکہ 1990 کے بعد سے امپورٹیڈ ساز سامان ہر جگہ دستیاب ہونے لگے لیکن چونکہ سرائے میر سے ہی اس کی شروعات ہوئی تو لوگوں نے ''منی دبئ'' کا نام دے دیا۔ سرائے میر میں ہول سیل کا بڑا مارکٹ ہے۔ یہاں پر کپڑے، برتن اور سائیکل کے کاروباری اچھے پیسے والے ہیں۔ یہاں زردوزی کا کام بھی بڑے پیانے پر ہوتا ہے لیکن یہاں کے کاروبار میں حصہ داری سرائے میر کے مقامی لوگوں سے زیادہ باہری لوگوں کی ہے

بیرون ممالک کے علاوہ یہاں کے زیادہ تر مسلمان روزگار کے سلسلہ میں ممبئ، پونہ اور دہلی وغیرہ کا رخ کرتے ہیں، جب کہ غیر مسلم زیادہ تر پنجاب اور دہلی کا رخ کرتے ہیں جن کی تعداد تیس سے چالیس فیصد ہے، اس کے علاوہ سرائے میر کے کچھ لوگ زراعت کے پیشے سے بھی منسلک ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ سرائے میر میں بہت سارے لوگ مقامی بیڑی فیکٹری سے جڑے ہوئے ہیں سرائے میر میں کچھ سالوں پہلے بسکٹ فیکٹری' آئل مل' اور گاڑیوں کے باڈی پارٹس کی بھی فیکٹری قائم کی گئی، لیکن بنیادی سہولیات اور حکومت کی عدم توجہی کی بنا پر وہ خسارے میں چلی گئیں کیوں کہ یہاں پر بجلی کا نظام بہتر نہیں تھا آس پاس کے گاؤں کی طرح ہی یہاں پر ایک ہفتہ رات اور ایک ہفتہ دن میں بجلی رہتی ہے اور ایسے میں کارخانوں کے ترقی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' جبکہ یہاں سے پچیس کلومیٹر دور شاہ گنج (جونپور) میں ایسے بہت سارے کارخانے اچھی طرح سے چل رہے ہیں کیوں کہ وہاں بہتر بنیادی سہولیات کے ساتھ ساتھ بجلی کی سربراہی بھی بہتر ہے۔

روزگار کے سلسلہ میں یہاں کے بہت سارے لوگ قصاب کے پیشے سے جڑے ہیں اور یہاں پر چمڑے کا بھی کاروبار ہوتا ہے

1.8.6 سرائے میر کی مسلم خواتین اور روزگار

روزگار کے میدان میں جو مسلم خواتین تعلیم یافتہ ہیں ان میں سے زیادہ تر ٹیچر اور ڈاکٹری کے پیشے سے منسلک ہیں اور غیر تعلیم یافتہ خواتین کی ایک بڑی تعداد بیڑی بنانے، سلائی، کڑھائی، بُنائی (جس میں کہ وہ مارکٹ سے مال لاکر بیل

تیار کرتی ہیں) چوڑی کیس بنانا، کانچ کی چوڑیاں بیچنے اور لوگوں کے گھروں میں کام کرنے جیسے پیشے سے جڑی ہیں۔

سرائے میر میں کوئی ٹیکنکل، میڈیکل اور نہ ہی ڈگری کالج موجود ہے۔ یہاں کوئی صنعت بھی نہیں ہے جس سے خواتین کو روزگار کے مواقع فراہم ہوں۔ اس طرح سرائے میر کی خواتین کیلئے مقامی سطح پر تعلیم و ترقی کے کوئی خاص مواقع نہیں ہیں اور نہ ہی انہیں یہاں کے مردوں کے مقابلے دوسری جگہ جا کر اپنی ہنر اور صلاحیت کو دکھانے کا کچھ خاص موقع مل پاتا ہے۔

باب دوم

متعلقہ ادب کا جائزہ

متعلقہ ادب کا جائزہ

کسی بھی تحقیقی مطالعہ کیلئے اس کے مواد کا جامع جائزہ لینا ضروری ہے۔ کیونکہ تحقیقی کاموں میں وہ مضبوط پس منظر میں معلومات فراہم کرتا ہے۔

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف (2006) اپنی کتاب ''عورتوں کے امتیازی مسائل''، میں لکھتے ہیں کہ آج حقوق نسواں کے نام پر بڑی بڑی تحریکیں چلائی جا رہی ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ عورت سے بڑھ کر کوئی مظلوم بھی نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام نے عورت کیلئے جو حدود قائم کئے ہیں ان میں عزت اور آفیت کا انتظام ہے، اور اسلام نے عبادت، وراثت، نکاح، اور شہادت جیسے موضوعات پر عورت کو جو حقوق دیئے ہیں وہ سب عورت کے صنفی حالات و نسوانی فطرت کے مطابق ہیں۔ اسلام سے بہتر عورت کے حقوق کی مثال کوئی اور مذہب پیش نہیں کرتا۔

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمینؒ (2006) نے اپنی کتاب ''پردہ'' میں اسلام میں پردے کی حیثیت، عورتوں کیلئے پردہ کا واجبی حکم اور بے پردگی کے نقصانات کو تحقیقی انداز میں لکھا ہے۔ جس کے ذریعہ پردہ کے بارے میں جہاں اسلام کا صحیح حکم واضع ہوتا ہے وہیں بے پردگی کے نقصانات کا بھی پردہ فاش ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائک (2007) اپنی کتاب ''اسلام میں خواتین کے حقوق جدید یا فرسودہ؟'' میں قران اور حدیث کے مطابق مسلم خواتین کے مذہبی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، قانونی اور سیاسی حقوق کا ذکر کرتے ہوئے اس کا موازنہ جدیدیت کے نام پر مغربی خواتین کو ایک لمبے عرصے کے بعد دیئے گئے حقوق سے کرتے ہوئے اس بات پر سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا وہ حقوق عورتوں کیلئے بہتر ہیں جو اسلام نے اسے ہر طرح سے مستحکم بنانے کیلئے دیئے ہیں یا پھر وہ جو مغربی مما لک میں ترقی، جدیدیت اور عورتوں کو ان کے حقوق کے نام پر سوائے ان کے استحصال کے کچھ بھی نہیں دیتے ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی (2008) اپنی کتاب ''اسلام میں عورت کا درجہ اور اسکے حقوق و فرائض'' میں لکھتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو کیا مقام عطاء کیا ہے اور عورت کے حقوق و فرائض اور حیات اسلامی بلکہ حیات انسانی میں عورت کا حصہ، عورت کی خدمات، احسانات اور اس کے کردار پر اسلامی اور تاریخی نظریہ پیش کیا ہے اس کتاب میں انہوں نے مسلم خواتین کی علمی و دینی خدمات، جہاد میں عورتوں کی خدمات، آزادی نسواں، اور شرعی و غیر شرعی پردہ پر روشنی ڈالی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلی مودودی (2009) نے اپنی کتاب ''پردہ'' میں مسلم خواتین کے حقوق کا جائزہ لیا ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں مسلم خواتین کو کیا حقوق دیئے ہیں اور دوسرے مذاہب کی خواتین سے موازنہ کیا ہے کہ کس طرح سے جدیدیت کے نام پر ان کا تماشہ بنایا جا رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کتاب میں حجاب کیا ہے اور پردے کی کیا اہمیت ہے اس پر روشنی ڈالی گئی ہے اور خواتین کو اسلامی معاشرے میں دیگر حقوق سے واقفیت کرائی گئی ہے اور اس بات پر بھی اہمیت دی گئی ہے کہ اسلام واحد ایسا ایک مذہب ہے جس نے خواتین کو معاشرے میں ایک بلند مرتبہ عطاء کیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی جو کہ ایک عالم دین تھے، مسلم خواتین کو عزت مرتبہ اور انکے حقوق بتانے کی غرض سے جو کہ اسلام نے حواتین کو عطاء کئے ہیں ''بہشتی زیور'' نام کی ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں انہوں نے اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ ایک عورت کی بحیثیت بیوی اور ماں ایک خاندان اور سماج میں کیا اہمیت ہوتی ہے اور وہ اپنے بچے اور شوہر کی زندگی میں کتنی اہمیت رکھتی ہے ایک مسلم عورت ہر حالت میں اپنے خاندان کیلئے صبر اور حوصلہ سے ڈھال ثابت ہو سکتی ہے اسکے ساتھ ہی انہوں نے اس کتاب میں اسلام کے پانچوں ستون کے ساتھ ہی خواتین کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے اس کی اہمیت بتائی۔

ھندوستانی سماج میں مسلم خواتین کے حوالہ سے جو بھی مطالعہ کئے گئے ان میں اکثر اس بات کی جانب اشارہ کرتے ہیں کہ مسلم خواتین کی صورتحال پہلے سے بہتر ہوئی ہے، لیکن ان کی ترقی کی رفتار بہت کم ہے۔ نیچے دیئے گئے کچھ مطالعوں سے ہندوستانی سماج میں مسلم خواتین کی موجودہ صورتحال اور ان کے حقوق کا بہتر طریقہ سے اندازہ ہوتا ہے۔

پچھلے دو یا تین دہوں سے ملکی وغیر ملکی سطح پر سماجی تحقیق کاروں، خواتین کارکنوں اور فیمنسٹس کے ذریعہ خواتین کی سماجی نابرابری پر بہت سارے ریسرچ کئے گئے، جو کہ اپنے اندر متعدد پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔ خواتین کے ان مسائل میں سے ہندوستان میں مسلم خواتین کا پہلو بہت ہی اہمیت کا حامل ہے اور ان کو دنیا کے سامنے لانے والوں میں سماجی تحقیق کاروں سے لیکر سیاسی رہنما، مذہبی رہنما، ماہر دینیات، صحافیوں اور عام گھریلو خواتین شامل ہیں، اور یہ لوگ مسلم خواتین کے مختلف پہلو کو دنیا کے سامنے لیکر آئے مثلاً قران اور حدیث کے مطابق خواتین کے حقوق، سماج میں خواتین کا مقام، خواتین کے تئیں مسلم معاشرہ کا نظریہ اور معاشرہ میں سماجی و ثقافتی بدلاؤ وغیرہ وغیرہ۔

نیچے دی گئی کچھ ریسرچ اسٹڈیز میں مسلم خواتین کی مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے:

ابوصالح شریف اور اعظم (2004) اپنی کتاب "Economic Empowerment of Muslim in India" میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان کے سارے مذاہب کی خواتین کی معاشی میدان میں نمائندگی مردوں کے مقابلہ کم ہے' لیکن مسلمانوں میں یہ فرق دوسروں کے مقابلہ بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان کے شمال اور مشرقی حصہ میں مسلم خواتین کی صورتحال دیگر حصوں سے بدتر ہے اور اس کیلئے کئی عوامل ذمہ دار ہیں۔

شسترے (1938) لکھتے ہیں کہ اسلام نے مسلم خواتین کو مندرجہ ذیل طریقوں سے سماج میں بہتر مقام دلایا۔ 1۔ انسان کی زندگی میں ماں کو عزت و مرتبہ دلا کر اور اسکی اہمیت بتا کر 2۔ ایک عورت کو اس کی جائداد کا مالک بنا کر یہاں تک کہ بغیر اسکی اجازت کے اس کا شوہر بھی اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتا 3۔ عورت کو بذات خود شوہر سے طلاق لینے حقوق دیکر 4۔ عورت طلاق کے بعد دوبارہ شادی کرنے کا حق دیکر 5۔ عورت کو اچھی زندگی گزارنے کیلئے تعلیم حاصل کرنے کے حقوق دیکر۔

کپاڈیہ (1965) نے لکھا ہے کہ اسلام نے مسلم خواتین کو وہ سارے حقوق عطاء کیئے ہیں جو اسے سماج میں بہتر مقام اور مرتبہ دلاتے ہیں: لڑکیوں کی شادی بالغ عمر میں کرنے کیلئے، اسکو جائداد میں حصہ دلا کر اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں چاہے وہ شادی بیاہ کا معاملہ ہو یا پھر طلاق کا' مسلمان مرد اور عورت دونوں کو برابر کا حق حاصل ہے۔

عورتوں کے حوالے سے پچھلے کچھ دہوں میں جو کام کئے گئے ہیں ان کا اہم مقصد سماج میں خواتین کو برابری کے حقوق دلانا ہے لیکن اس میں صرف مسلم خواتین ہی شامل نہیں رہیں بلکہ دوسرے مذاہب کی عورتیں جو کہ سماجی نابرابری کا شکار ہیں مطالعہ کا موزوں رہی ہیں اور ہیں۔لیکن مسلمان خواتین پر ہوئے سروے سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یوں ہیں:

زرینہ بھٹی (1976)۔اپنے ایک آرٹیکل "Status of Muslim Women and Social Change" میں ہندوستانی مسلم خواتین کا تجزیہ جدید سماجی برابری اور سماجی انصاف کے حوالے سے کرتی ہیں۔اور اس نتیجہ پر پہنچتی ہیں کہ مسلمان قوم مرد اور عورت کو برابری کا درجہ دینے میں بہت ہی سست رفتار سے مواقع فراہم کر رہی ہے،ان کے مطابق مسلم خواتین کو ان کے حقوق سے واقفیت کرانے کیلئے اور جدید دور میں سماج میں اپنا ایک بہتر مقام پانے کیلئے تعلیم حاصل کرنا ایک اہم ذریعہ ہے۔

جب مسلم خواتین کی سماجی و معاشی میدان میں نمائندگی کا موازنہ دوسرے مذاہب کی خواتین سے کیا گیا تو وہ سب سے کم پائی گئیں۔ناخواندگی،مردوں کی اجارہ داری،خواتین کو نظر انداز کیا جانا اور رسم و روایات یہ کچھ ایسی وجوہات ہیں جو کہ ہندوستانی مسلمان عورت کی ترقی میں حائل ہیں۔

E H White(1978)reports:" In comparison With other major culture areas,the Muslim majority Nations of the World have low rate of reported economic activity by women,Low female literacy at all levels".

صدیقی (1980) نے اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو برابری کا درجہ اور ایک دوسرے کی زندگی میں کیا اہمیت دی ہے اس نظریے کو پیش کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اسلام کے مطابق مرد اور عورت دونوں الگ الگ جنس ہیں اور دونوں کی اپنی اہمیت ہے،اور انہیں اس بات کی قدر کرنی چاہیئے۔چونکہ وہ مختلف جنس سے تعلق رکھتے ہیں اسلئے معاشرے میں دونوں ہی اپنے اعتبار سے عزت و مرتبہ کے حقدار ہیں اور انہیں اپنی ذمہ داری بخوبی نبھانی چاہیئے۔اسلام نے مرد اور عورت کو یکساں مقام عطاء کیا۔

اندو مینن (1981) کی تحقیق اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ کس طرح سے کیرلا میں مسلمان خواتین کی سماجی حالات کی بہتری میں تعلیم نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ مثلاً جو اعلی تعلیم یافتہ ہیں ان کا سماجی اور معاشی معیار بھی اعلی درجہ کا ہے۔ جن میں کہ جوابدہ کی تعلیمی لیاقت اور والدین کی آمدنی کے آپسی تعلق کو دکھایا گیا ہے اور ادنیٰ معیار کی اصل وجہ مسلمانوں میں خواتین کی تعلیم کو اہمیت نہ دیا جانا قرار دیا گیا ہے۔ پردہ کو بھی خواتین کی تعلیم کی حصولیابی میں رکاوٹ مانا گیا ہے کیوں کہ اکثر پردے کی باعث زیادہ تر مسلم لڑکیاں بیچ میں ہی تعلیم ترک کر دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ کم عمری میں شادی بھی تعلیم میں رکاوٹ پائی گئی ہے۔ زیادہ تر مسلم خواتین کی سوچ ایسی بھی پائی گئی کہ روزگار سے جڑنا اور گھر کے انتظام کو چلانا مردوں کی ذمہ داری ہے کیونکہ عورتیں گھر کے کام کاج کی ذمہ داری نبھانے کیلئے ہیں نہ کہ باہر کے۔ اور تعلیم جو اچھے روزگار حاصل کرنے کیلئے ہے وہ مردوں کیلئے ضروری ہے اور سیاسی میدان میں اپنی شمولیت کو بھی وہ غیر ضروری مانتی ہیں۔ البتہ حالیہ کچھ سالوں میں جدیدیت اور ترقی کے مراحل طے کرنے کے بعد مسلم خواتین کی سماجی حیثیت میں کچھ بدلاؤ ضرور آئے ہیں اور وہ باہری دنیا سے کنارہ کش نہیں ہے۔ اور اس دوران انہوں نے اپنے آس پاس کی کچھ سماجی حدود اور بندشوں کو بھی توڑا ہے۔

فاطمہ عابدی (1986) کی تحقیق "Home-Based Production -A Case Study of Women Weavers in a Village of Eastern UP in India" میں کام کرنے والی مسلم عورتوں کی پریشانوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ عابدی کے مطابق خواتین دن میں 6 سے 8 گھنٹے بنائی کا کام کرتی ہیں اور کم سے کم 1 سے 3 گھنٹے وِنڈنگ پروسیس کے ساتھ ساتھ گھریلو کام کاج مثلاً بچوں کی دیکھ بھال اور کھانا پکانا وغیرہ کی ذمہ داریاں بھی انجام دیتی ہیں اور اتنی محنت اور مشقت کرنے کے باوجود یہ عورتیں کسی بھی معاملے میں بااختیار نہیں ہوتی ہیں چاہے وہ روزمرہ کے معاملہ میں فیصلہ سازی کرنا ہو یا پھر اپنے کمائے ہوئے پیسوں کا اپنی ضروریات پر خرچ کرنا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی حالت ٹیکسٹائل مل جہاں وہ کام کرتی ہیں وہاں بھی بہت خراب ہوتی ہے اور ان کی اس صورتحال کے ذمہ دار عوامل میں پردہ، تعلیم کی کمی، کم عمر میں شادی، اور کام کے حوالے سے دوسرے حقوق اور سہولیات نہ ملنا وغیرہ شامل ہیں۔

ایچ وائی صدیقی (1987) نے اپنی تحقیق "Muslim Women in Transition" میں مندرجہ ذیل پہلوؤں کو مطالعہ کا مرکز بنایا۔ مثلاً مذہبی پہلو، تعلیم اور روزگار کا پہلو، پردہ سسٹم اور اس سے جڑی ہوئی رسم و رواج اور خاص طور سے مسلم خواتین کی سماجی زندگی پر اسکے اثرات - فیصلہ سازی، صحت، صحت اور فیملی پلاننگ وغیرہ۔ تحقیق کے بعد تعلیم کے حوالے سے کوئی خاص مثبت ادارے نہیں ملے۔ صرف شہری خواتین میں تعلیم اور صحت کو لیکر بیداری پائی گئی جس کی وجہ سے انکی سماجی اور معاشی زندگی میں بھی اچھے اثرات دیکھے گئے۔ عورتوں کی تعلیم و صحت میں مذہبی پہلو کی کچھ خاص منفی اثرات سامنے نہیں آئے۔

کے این جہانگیر (1991) نے اپنی تحقیق میں یہ نتائج اخذ کئے ہیں کہ زیادہ تر مسلم لڑکیوں پر پیسے خرچ کرنے کے بجائے لڑکوں پر خرچ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ لڑکیاں "پرایا دھن" ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ کم آمدنی والے لوگ اپنی بیٹیوں کی شادی جلدی کر دیتے ہیں، پردہ بھی عورتوں کی معاشی حالت کو کہیں نہ کہیں کمزور بناتا ہے اور خواتین کی سماجی اور سیاسی کارکردگی کو کوئی خاص توجہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔ طلاق اور دوسری شادی کا چلن غریب طبقہ میں زیادہ پایا گیا، مسلم خواتین ووٹ میں حصہ تو ضرور لیتی ہیں لیکن ان میں بھی انکے شوہر یا گھر کے دوسرے مرد کی دخل اندازی پائی جاتی ہے۔ گویا انکی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی ہے۔

لیلیٰ احمد (1992) کہتی ہیں کہ اسلام نے خواتین کی حالت کو بہتر بنایا۔ قران میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک مرد اور عورت دونوں برابر ہیں اور دونوں کو جو ذمہ داریاں اللہ نے عطاء کی ہیں وہ ان کو بخوبی انجام دینی چاہئیے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی حالت میں بدلاؤ آیا، کیونکہ چاہے وہ مسلم ممالک ہوں یا دیگر، جہاں پر بھی مرد حکمرانوں نے حکومت کی، اسکے بعد علماؤں نے مذہبی قاعدے اور قانون کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی، اور انہوں نے عورتوں کو اپنے مطابق زندگی گزرانے پر زور ڈالا۔

شوکت عظیم (1997) نے اپنی تحقیق "Muslim Women:Emerging Identity" میں یہ بات اٹھائی کہ مسلمان قوم مذہب کے نام پر عورتوں کے روزگار کے حوالہ سے کچھ ایسی غیر ذمہ دارانہ باتیں کرتی ہیں کہ ان کا آپس میں کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا ہے۔ وہیں اس جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ تعلیم کی کمی ہے جو مسلمان مرد اور عورت دونوں کی بدتر حالت کی ذمہ دار ہے۔

سلیمہ جان (1998) اپنے مطالعہ "Women's in Islamic Perspective" میں کہتی ہیں کہ اسلام نے مسلم خواتین کو وہ سارے حقوق عطاء کئے ہیں جو کسی اور مذہب نے نہیں دیئے ہیں لیکن مسلم خواتین کی شریعت سے لاعلمی اور غلط رسم ورواج کے چلن کے باعث مسلم عورتوں کی صورتحال اچھی نہیں ہے اور اسکے لئے یہ ضروری ہے کہ مسلم خواتین کو ان کے حقوق سے واقفیت ہونی چاہئے اور لوگوں (مردوں) کے ذریعہ بنائی گئی رسم و روایات کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر درفشاں دلا زاک (2004) اپنے تحقیقی مقالہ تقسیم ہند اور ہندوستانی مسلمان' میں ہندوستانی مسلمانوں کے اندازفکر ، ہندوستان کا تاریخی پس منظر، اور اس دور کے معاشرتی اور سیاسی حالات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، اور اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ کس طرح انگریزوں کی حکومت کے دوران مسلمانوں کے ساتھ جو ناانصافی ہوئی تھی اس کا خمیازہ آج بھی ہندوستانی مسلمان بھگت رہا ہے۔

ناہد سار یکھانی (2008) نے اپنی تحقیق "Muslim Women's Work Participation in India" جو کہ 2001 مردم شماری پر مبنی تھی یہ پایا کہ مسلمان ہندوستانی کی آبادی کے 13.4 فیصد کے حصہ دار ہیں اور ہندوستان دوسرا دنیا کا بڑا مسلم آبادی والا ملک ہے۔ لیکن ایک اہم بات یہ کہ مسلم خواتین میں ناخواندگی بہت زیادہ ہے جس کے سبب وہ سماج میں دیگر حقوق سے استفادہ نہیں کر پاتی ہے۔ مسلم مرد اور عورتوں کے کام کرنے کی شرح میں بھی ایک بڑا فرق پایا گیا لیکن ساتھ ہی مسلمان خواتین غیر منظّم اداروں میں زیادہ پائی گئیں۔

باب سوم

حجاب، تعلیم اور روزگار

(اسلامی نظریہ)

3.1: مسلم خواتین اور حجاب

حجاب عربی لفظ ''حجابہ'' سے آیا ہے جس کے معنی باہری نظاروں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا ہے۔حجاب کے معنی با حیا اور با وقار انداز میں مسلم عورتوں کو اپنے آپ کو چھپانے کے ہیں۔حجاب کے معنی صرف کسی خاص قسم کے پردے یا پھر پورے جسم کو اچھی طرح سے ڈھکنے کے نہیں ہوتے بلکہ مسلم خواتین کے آداب واطوار اور مہذب ڈھنگ سے بات چیت کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی جن آیات میں پردہ کے احکام بیان کئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

﴿قل للمومنين يعضو من ابصار هم ويحفظوا فروجهم ذلك ازكى لهم ان لله خبير بما يصنعونوقل للمومنات يغضضن من ابصار هن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن الا لبعو لتهن او ابائهن او باء بعولتهن او ابنائهن او ابنائهن او ابنائء بعولتهن او اخوانهن او بنى اخوانهن او بنى اخوتهن او نسجئهن او اوماملكت ايمانهن او التبعين غير گولى الاربة من الرجال او الطف الذين لم يظهروا على عورت النساء ولا يضربن بارجلهن ليعلم مايخفين من زينتهن﴾

(النور 31-30)

''اے نبی! مومن مردوں سے کہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کریں، یہ ان کیلئے زیادہ پاکیزگی کا طریقہ ہے۔یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔اور مومن عورتوں سے کہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جو خود ظاہر ہو جائے اور وہ اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے بُکّل مار لیا کریں۔اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔مگر ان لوگوں کے سامنے شوہر، باپ، خسر، بیٹے، سوتیلے بیٹے، بھائی، بھتیجے، بھانجے اپنی عورتیں اپنے غلام وہ مرد خدمت گار جو عورتوں سے کچھ مطلب نہیں رکھتے یا وہ لڑکے جو ابھی عورتوں کے پردے کی باتوں سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں (نیز انکو حکم دو کہ) وہ چلتے وقت اپنے پاؤں زمین پر اس طرح نہ مارتی چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے (آواز کے ذریعہ) اسکا اظہار ہو''۔

(قران پاک میں حجاب کا حکم صرف عورتوں کیلئے ہی نہیں بلکہ مردوں کیلئے بھی آیا ہے اور عورت کو حجاب کا حکم دینے سے پہلے قران مرد کو حجاب کا حکم دیتا ہے)

﴿یا یّھا النبی قل لا زو اجك و بنتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلا بیبھن۔ ذلك ادنی ان یعرفن فلا یوذین﴾(الاحزاب:59)

''اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ پہچانی جائیں اور ان کو ستایا نہ جائے''۔

اسلامی حجاب کے جن اصولوں کا ذکر قران اور حدیث میں آیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

- پہلا اصول حجاب کی حد یا معیار کا ہے جو کہ مرد اور عورت دونوں کیلئے الگ الگ ہیں۔ مرد کیلئے ستر ناف سے گھٹنے تک ہے، جب کہ عورت کا پورا جسم ستر عورت میں شامل ہے۔ جو اعضاء نظر آسکتے ہیں وہ صرف چہرہ اور کلائیاں ہیں، اسکے علاوہ سارے جسم کا حجاب یعنی چھپایا جانا ضروروی ہے۔ اگر وہ چہرہ اور ہاتھ کو بھی چھپانا چاہے تو اس کو بھی منع نہیں کیا گیا ہے، لیکن ان اعضاء کا محرم کے سامنے چھپانا لازم نہیں ہے۔ یہ وہ واحد اصول ہے جو مرد اور عورت کیلئے مختلف ہے باقی تمام اصول دونوں کیلئے یکساں ہیں۔
- دوسرا اصول یہ کہ عورت کا لباس اس حد تک ڈھیلا ہونا چاہئے کہ اس کے جسم کے اعضاء ظاہر نہ ہوں۔
- تیسرا اصول یہ کہ کپڑے کے موٹائی اتنی ہونی چاہئے کہ اس سے جلد کا رنگ واضع نہ اور نہ ہی جسم کی بناوٹ یعنی کہ ایسا لباس نہیں پہننا چاہئے جس میں سے آر پار نظر آئے۔
- چوتھا اصول یہ ہے کہ مسلمان عورت کا پہناوا اس طرح کا ہونا چاہئے کہ وہ مردوں کو متوجہ نہ کرے، زیادہ چمک دار اور بھڑکیلا نہ ہو کہ ہر کوئی انکی طرف نظریں اٹھا کر دیکھے۔
- پانچواں اصول یہ کہ عورتوں کو مردوں اور مردوں کو عورتوں جیسے کپڑے نہیں پہننے چاہئے۔
- اور چھٹا اصول یہ ہے کہ مسلمان عورتوں کو ایسے لباس نہیں پہننے چاہئے جس میں کہ کفار سے مشابہت ہوتی ہو۔

3.2: مسلم خواتین اور تعلیم

آج سے چودہ سو برس پہلے جب عورتوں کو کسی بھی قسم کے حقوق حاصل نہیں تھے اور لوگ ان کو اپنی ذاتی ملکیت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اسلام نے اس وقت خواتین کی تعلیم پر زور دیا، جس وقت دنیا میں تعلیم نسواں کا کوئی تصور ہی نہیں تھا اتنا ہی نہیں اسلام میں عورتوں کو دینی اور دنیاوی علوم کو سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ انکی تعلیم و تربیت کو اتنا ہی ضروری قرار دیا گیا جتنا کی مردوں کو۔ نبی ﷺ سے دین واخلاق کی تعلیم جس طرح سے مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح سے عورتوں کو بھی اجازت تھی۔ آپ ﷺ نے انکے لئے اوقات متعین فرمادیئے تھے جن میں وہ آپ ﷺ سے علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔ اشراف تو درکنار نبی ﷺ نے لونڈیوں تک کو علم وادب سکھانے کا حکم دیا تھا چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ

ایما رجل کانت عنده ولیدة فعلّمها فا حسن تعلیمها و ادّبها
فاحسن تادیبها ثم اعتقها بو تزوجها فله اجران
(بخاری کتاب انکاح)

"جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کو خود تعلیم دے اور عمدہ تہذیب وشائستگی سکھائے، پھر اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کرے اس کے لئے دوہرا اجر ہے[6]"

جہاں تک نفس تعلیم اور تربیت کا تعلق ہے اسلام میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے، البتہ نوعیت میں فرق ضروری ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم و تربیت وہ ہے جو گھریلو ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں مددگار ثابت ہو سکے۔ اس کے علاوہ وہ علوم بھی اس کیلئے ضروری ہیں جو کہ انسان کو انسان بنانے والے اور اس کے اخلاق کو سنوارنے والے اور اس کی نظر کو وسیع کرنے والے ہیں اور ان سے آراستہ ہونا ہر مسلم عورت کیلئے لازمی ہے اسکے بعد اگر کوئی عورت غیر معمولی ذہانت رکھتی ہو اور ان علوم کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہو اسلام اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے بشرطہ کہ وہ ان حدود سے تجاوز نہ کرے جو شریعت نے عورتوں کیلئے مقرر کئے ہیں

---

6. مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (2009) "پردہ"

آپ ﷺ کے دور میں متعدد عالمہ خواتین کی مثالیں ملتی ہے، ان میں سب سے اہم مثال حضرت عائشہؓ کی ہے۔ حضرت عائشہؓ سے صحابہ اکرام اور خلفائے راشدین تک ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتے تھے، وہ نہ صرف علوم دینیا کی ماہر تھیں بلکہ دیگر علوم مثلاً طب پر بھی دسترس رکھتی تھیں اور ساتھ ہی علم ریاضی میں بھی دلچسپی رکھتی تھیں۔ آپؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ 88 علماء نے آپ سے تعلیم حاصل کی یعنی آپؓ کو استادالاساتذہ کا مقام حاصل ہے۔

- حضرت عائشہ صدیقہؓ کے علاوہ بھی متعدد صحابیات کے علم وفضل کی شہادت ملتی ہے۔
- ام المومنین حضرت صفیہؓ کو بھی علم فقہ میں مہارت حاصل تھی۔
- ام المومنین حضرت امہ سلمیٰؓ سے 32 علماء نے تعلیم حاصل کی۔
- حضرت فاطمہ بنت قیس ابتدائی مہاجرین میں شامل تھیں اور وسیع علم رکھتی تھیں۔
- حضرت حسنؓ کی پوتی سعیدہ نفیسہؒ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اماشافعیؒ نے بھی آپ سے تعلیم حاصل کی اور امام شافعی وہ عالم ہیں جنھوں نے فقہ اسلامی کے چار بڑے مکاتب فکر میں سے ایک کا آغاز کیا۔

اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً ام الدرداء کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں علوم عقلیہ میں کمال حاصل تھا انکے علم فضل کی گواہی امام بخاری جیسے عالم نے بھی دی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور یہ ذکر اس دور کا ہو رہا ہے جب عورت کے ساتھ بہت برا سلوک کیا جاتا تھا بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی دفنا دیا جاتا تھا لیکن اسی دور میں مسلمانوں میں نہ صرف علم ودین بلکہ طب اور سائنس جیسے علوم کی ماہر خواتین بھی موجود تھیں۔

صرف اتنا ہی نہیں اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان عورتوں نے بہت سارے تعلیمی ادارے بھی قائم کئے ہیں مثلاً 859 صدی میں فاطمہ الفہر ی نے الکراؤن یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی اور اس کو بارہویں اور تیرہویں صدی تک ایوبیہ سلطنت نے قائم رکھا۔ جب دمشق میں 160 مساجد اور مدارس قائم کئے گئے تو ان میں سے 26 وقف نظام کے تحت مسلم خواتین نے قائم کئے۔ بارہویں صدی کے ایک بہت بڑے سنی اسکالر ابن اساکر کے مطابق اسلامک عہد وسطی میں عورتوں کیلئے بہت سارے مواقع اور سہولتیں موجود تھیں۔ ان کے مطابق عورتیں تعلیم حاصل کرسکتی تھیں اور ایک اسکالر اور اساتذہ کے طور پر کام کرسکتی تھیں۔ اسلام میں کہیں بھی عورتوں کی تعلیم کی مخالفت میں کوئی مثال نہیں ملتی عورت اپنے حدود میں رہتے ہوئے تعلیم حاصل کرسکتی ہے۔

3.3: مسلم خواتین اور روزگار

جس چیز کی وجہ سے انسان کو تہذیب وتمدن میں برتری حاصل ہوتی ہے وہ اس کی معاشی حیثیت کی مضبوطی ہے اور اسلام نے آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے معاشی حقوق عطاء کئے ہیں۔ مثلاً ایک عاقل و بالغ مسلم عورت جائداد خرید سکتی ہے، رکھ سکتی ہے، فروخت کر سکتی ہے، چاہے وہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو، وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنی مرضی سے اپنے مال کے بارے میں وہ تمام فیصلے کر سکتی ہے، جو ایک مرد کر سکتا ہے اور یہ بات غور طلب ہے کہ اسلام نے عورت کو یہ سارے حقوق آج سے ڈیڑھ ہزار برس قبل دیا تھا جبکہ برطانیہ میں یہی حق عورت کو 1870 میں ملا۔ اس لئے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب کے قوانین نے عورت کو معاشی حیثیت سے کمزور کیا ہے اور یہی معاشی بے بسی معاشرے میں عورت کی غلامی کا سب سے بڑا سبب بنی ہے۔

اسلام عورت کے کام کرنے اور روزی کمانے کی بھی پوری اجازت دیتا ہے قران وحدیث میں کہیں بھی عورت کے کام کرنے پر پابندی عائد نہیں کی گئی ہے، شرط یہ ہے کہ کام جائز ہو اور شرعی حدود میں کیا جائے اور خصوصاً پردے کے اہتمام کے ساتھ کیا جائے، لیکن ظاہری بات ہے کہ اسلام عورت کو کوئی ایسا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا، جس میں عورت کے حسن و جمال کی نمائش ہو، مثلاً اداکاری' اور ماڈلنگ وغیرہ۔ بلکل ایسے ہی بہت سے کام اسلام نے مردوں کے لئے بھی حرام کئے ہیں مثلاً شراب کا کاروبار، یا قمار بازی سے تعلق رکھنے والے پیشے۔ تو ظاہری بات ہے کہ ان پیشوں کی اجازت عورتوں کو بھی نہیں ہے۔

ایک حقیقی اسلامی معاشرے میں ایسے بہت سارے پیشے ہیں جن کے دروازے مسلم خواتین کیلئے کھلے ہیں مثلاً طب کے شعبہ کو ہی لے لیجئے اسلامی تعلیمات کے مطابق اس بات کو سبقت دی گئی ہے کہ ایک مریضہ عورت اگر ایک مرد ڈاکٹر کی بہ نسبت ایک عورت ڈاکٹر کی خدمات حاصل کرے تو بہتر ہوگا۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ عورتوں کے اسکول کالج اسپورٹس سنٹر اور دوسرے مراکز بھی عورتوں کی ہی زیرنگرانی میں رہیں نہ کہ مردوں کے۔

دوسری طرف اسلام تمام تر معاشی ذمہ داری مرد کو سونپتا ہے اور عورت پر کمانے کی ذمہ داری بالکل نہیں عائد کرتا گویا اسے اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ عورت کو اپنی روزی خود کمانی پڑے تو اسلام اس سے روکتا بھی نہیں ہے۔

ان کاموں کے علاوہ بھی بہت سے کام ہیں جو عورت کر سکتی ہے جیسے کی عورت گھر میں رہ کر کے بھی بہت سے چھوٹے موٹے کام شروع کر سکتی ہے۔ اسی طرح سے اسلام میں عورت کو کاروبار کرنے کی اجازت ہے، لیکن جہاں نامحرموں سے اختلاط کا موقع ہو وہاں اسے کسی محرم مرد مثلاً باپ بھائی یا شوہر کی مدد لینی ہوگی۔ اس سلسلہ میں حضرت خدیجہ ؓ کی مثال پیش کی جا سکتی ہے وہ اپنے دور میں مکہ کی مالدار خواتین میں شمار ہوتی تھیں اور آپ ﷺ ان کی جانب سے کاروباری ذمہ داریاں انجام دیتے تھے۔ ایک اہم بات اور ہے کہ عورت کے لئے کمانا ضروری نہیں ہے، لیکن اگر وہ کماتی ہے تو وہ مکمل طور پر اس کی ذاتی ملکیت ہوگی وہ اس بات کیلئے پابند نہیں ہے کہ اسے اپنے گھر والوں کیلئے خرچ کرے وہ اپنی کمائی اپنی مرضی سے جیسے چاہے خرچ کر سکتی ہے۔ اس طرح سے اسلام نے عورت کو صدیوں پہلے جو حقوق عطا کئے اس کی نظیر کسی بھی مذہب میں نہیں ملتی یہ الگ بات ہے کہ لوگوں نے اسے اپنے ضرورت کے حساب سے بدل ڈالا۔

3.4: مسلم خواتین کے دیگر حقوق

اسلام نے عورتوں کو جو مرتبہ عطا کیا ہے اس نے نہ صرف عورتوں کی زندگی میں بلکہ دنیا کی معاشرتی زندگی میں بھی عظیم انقلاب پیدا کر دیا ہے انسانی تمدن کی پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسلام سے قبل عورت کا وجود دنیا میں ذلت شرم اور گناہ کا وجود تھا بیٹی کی پیدائش باپ کیلئے سخت عیب اور ذلت کی بات تھی بہت سی قوموں میں اس ذلت سے بچنے کیلئے لڑکیوں کو ہلاک کر دینے کا رواج عام ہو گیا تھا جہلاء علماء اور پیشوانِ مذہب میں بھی ایک عرصہ تک یہ سوال موضوع بحث رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں۔ صدیوں سے چلی آ رہی مظلومی محکومی اور حقارت کے برتاؤ نے خود عورت کے ذہن سے بھی عزت نفس کا احساس مٹا دیا تھا وہ خود بھی یہ بھول گئی تھی کہ دنیا میں کوئی حق لیکر پیدا ہوئی ہے اور اس کی بھی کوئی عزت ہے۔

ایسے میں اسلام واحد ایسا مذہب ہے جس نے عورت کے وقار و اعتبار کی بحالی کی، انسانی سماج میں اسے مناسب مقام دلایا' ظالم قوانین، غیر منصفانہ رسم رواج اور مردوں کی خود پرستی، خود غرضی اور تکبر سے اسے نجات دلایا اور اس بات کو دنیا کے سامنے رکھا کہ دین میں، دین کے احکام اور مسائل میں، فرائض میں، عبادات میں، عقائد میں اور علم میں کم سے کم ہمارا جس امت سے تعلق ہے، جس مذہب سے تعلق ہے عورتوں کو محروم نہیں رکھا گیا ہے اور انہیں نظر انداز نہیں کیا گیا ہے بلکہ وہ اس میں شریک ہیں کیوں کہ انکے لئے مستقل احکام و مسائل اور نماز و روزہ' حج و زکوۃ' اور اس کے علاوہ دین کے دوسرے مسائل و عبادات میں وہ برابر کی شریک ہیں۔ اور اس طرح سے وہ دین و علم' خدمت اسلام' خیر و تقوہ میں تعاون اور صالح معاشرہ کی تعمیر میں پوری طرح سے حصہ لے سکتی ہیں اس طرح سے اپنے آغاز سے لیکر آج تک اسلام کا مقصد ہمیشہ یہ رہا کہ خواتین کے حوالے سے ہماری سوچ ہمارے خیالات ہمارے احساسات اور ہماری طرز زندگی میں بہتری لائی جائے اور معاشرہ میں خواتین کا مقام بلند سے بلند تر کیا جائے۔

اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو مساوی حقوق عطاء کئے ہیں لیکن یہ حقوق مساوی ہیں یکساں نہیں ہیں اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کیلئے تکمیل کا ذریعہ ہیں اور انکے درمیان شراکت ہونی چاہئے گویا اگر دونوں اپنا کردار اسلامی احکام کے مطابق ادا کریں تو نہ انکے درمیان رقابت ہوگی اور نہ ہی اختلاف۔

اسلام نے حقوق نسواں کے حوالے سے عورت کو بحیثیت بیٹی بحیثیت بیوی اور بحیثیت ماں کیا حقوق عطاء کئے ہیں اس کا ایک چھوٹا سا حوالہ درج ذیل ہے

3.4.1 عورت کے معاشرتی حقوق بحیثیت بیٹی

ظہور اسلام سے قبل دور جاہلیت کے عرب معاشرے میں لوگ اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے لیکن اسلام نے اس مکروہ اور ظالمانہ رسم کا خاتمہ کیا اور مذہب اسلام نے بیٹی کو جان کی حفاظت فراہم کی اور بیٹیوں کو قتل کرنے کی سلسلہ کا خاتمہ کیا اسلام یہ حفاظت بیٹی اور بیٹے دونوں کیلئے فراہم کرتا ہے اور قتل اولاد کو حرام قرار دیتا ہے

سورہ التکویر میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿واذا المودة سئلت ٥ بای ذنب قتلت﴾ (۸:۱۸-۹)

''اور جب زندہ گاڑی ہولڑکیوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئیں

اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا به شیئا و بالو الدین احسانا ولا تقتلو ا اولاد کم من املاق نحن نرزقکم و ایاهم ﴾(۱۵۱:۶)

''اے نبی ﷺ! ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہ کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کی ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دینگے''

اسی طرح کا حکم ہمیں سورہ بنی اسرائیل میں بھی ملتا ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ ولا تقتلو اولادکم خشیه املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطا کبیرا ﴾(۳۱:۱۷)

''اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دینگے اور تم کو بھی۔
درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے''

اسلام صرف بچی کے قتل پر ہی پابندی نہیں لگاتا، وہ تو اس طرز عمل کی بھی سختی سے مذمت کرتا ہے کہ بچے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جائے اور بیٹی کی پیدائش پر افسوس کیا جائے۔

قران مجید کی سورۃ نحل میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے اور بس وہ خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بری خبر کے بعد لوگوں کو کیا منہ دکھائے گا۔سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبادے؟دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ اللہ کیلئے لگاتے ہیں''(۱۶:۵۹،۵۸)

مزید یہ کہ اسلام بیٹی کی تعلیم وتربیت اچھے طریقہ سے کرنے کا حکم بھی دیتا ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث نبوی ﷺ کا مفہوم کچھ یوں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنی دو بیٹیوں کو خوش اسلوبی سے پرورش کرتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح میرے ساتھ ہوگا (آپ ﷺ نے دو انگلیاں اکٹھی کرکے دکھایا''

ایک اور حدیث مبارک میں ارشاد ہے:

''جس شخص نے اپنی دو بیٹیوں کی اچھی طرح پرورش کی اور انکا خیال رکھا اور محبت کے ساتھ انہیں پالا وہ شخص جنت میں داخل ہوگا''

اسلام بیٹوں اور بیٹیوں میں فرق روا رکھنے کے بھی خلاف ہے ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

''ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص نے اپنے بیٹے کو پیار کیا اور اپنی گود میں بٹھا لیا لیکن اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا نہیں کیا نبی کریم ﷺ نے فوراً فرمایا کہ تو ظالم ہے تجھے چاہئے تھا کہ اپنی بیٹی کو بھی پیار کرتا اور اسے بھی اپنی گود میں بٹھاتا''

نبی کریم ﷺ صرف زبانی احکامات نہیں دیتے تھے آپ کے اسوہ حسنہ سے بھی ایسے ہی طرز عمل کا ثبوت ملتا ہے۔

3.4.2 عورت کے معاشرتی حقوق بحیثیت بیوی

اسلام سے پہلے کے مذاہب اور تہذیبوں کا جائزہ لینے پر معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں عورت کو شیطان کا آلہ کار سمجھا جاتا تھا یعنی یہ خیال کیا جاتا تھا کہ شیطان عورت کے ذریعہ انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ اسلام میں عورت کا تصور اس کے بلکل برعکس ہے کیوں کہ اسلام عورت کو ''محسنہ'' قرار دیتا ہے یعنی شیطان سے بچنے کا ذریعہ بتاتا ہے، جب ایک مرد کی شادی ایک اچھی اور نیک عورت سے ہوتی ہے تو وہ عورت اس کے لئے شیطانی ترغیبات سے بچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اسے اس راہ پر چلانے کا باعث بنتی ہے، جسے قران نے صراط مستقیم قرار دیا ہے۔

اسی طرح سے ''صحیح بخاری'' کی روایت کردہ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ:

”نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”ہر مسلمان جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو ضرور نکاح کرے اس طرح انکے لئے اپنی نگاہ کی حفاظت اور پاک دامنی برقرار رکھنا آسان ہوجائے گا“

قران کا ارشاد ہے کہ میاں بیوی کے دل میں ایک دوسرے کیلئے محبت رکھ دی گئی ہے۔ سورہ روم میں ارشاد باری تعالی ہے:

”اور اسکی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں بنائیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی یقیناً اس میں بہت سے نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غور فکر کرتے ہیں“(۳۰:۲۱)

نکاح کیلئے فریقین کی رضامندی ایک لازمی شرط ہے یعنی مرد اور عورت دونوں کو اس رشتے کیلئے راضی ہونا چاہئے کوئی بھی..... خواہ وہ لڑکی کا والد کیوں نہ ہو اپنی بیٹی کی شادی زبردستی نہیں کرسکتا۔

اسلام میں عورت کا تصور خاندان تشکیل دینے والی شخصیت کا ہے بیوی کے حیثیت سے وہ مکان کو گھر بناتی ہے اسلام میں بیوی کی حیثیت باندی کی نہیں ہوتی بلکہ اسے شوہر کے ساتھ بلکل مساوی حیثیت ملتی ہے۔ اسلام نے مرد اور عورت کی سماجی حیثیت میں کوئی فرق نہیں رکھا سوائے ایک پہلو کے اور وہ پہلو قیادت کا ہے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالی ہے

﴿ولهن مثل الذی علیهن.........والله عزیز الحکیم﴾(۲:۲۲۸)

”عورتوں کیلئے بھی مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے“

سورہ نساء میں اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے:

﴿الرجال قومون علی النساء﴾(۴:۳۴)

”مرد عورتوں پر قوام ہیں“

لوگ بالعموم ''قوام'' کا ترجمہ ایک ''درجہ برتر'' کرتے ہیں یا یہ کہ مرد ایک درجہ افضل ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قوام کا لفظ اقامہ سے نکلا ہے مثال کے طور پر نماز سے پہلے اقامت ہوتی ہے جس کا مطلب ہے نماز کیلئے کھڑے ہوں گویا قامہ کا مطلب ہے کھڑے ہو جانا اور جہاں تک قوام کے معنی کا تعلق ہے تو اس لفظ کے معنی یہ نہیں کہ مرد کو عورت پر ایک درجہ برتری یا فضیلت حاصل ہے بلکہ یہ ہے کہ مرد کی ذمہ داریاں ایک درجہ زیادہ ہیں۔ تفسیر ابن کثیر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مرد کی ذمہ داری ایک درجہ زیادہ ہے نہ کہ بلحاظ فضیلت کوئی برتری ہے اور یہ ذمہ داری فریقین کو باہمی رضامندی سے ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

سورہ بقرہ میں ارشاد بری تعالی ہے:

﴿ هن لباس لكم و انتم لباس لهن ﴾(۲:۱۸۷)

''اور وہ تمہارہ لئے لباس ہیں اور تم انکے لئے لباس ہو''

لباس کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ لباس کا مقصد پردہ بھی ہوتا ہے اور زینت بھی اسی طرح میاں بیوی کو ایک دوسرے کے عیبوں پر پردہ ڈالنے والا اور ایک دوسرے کیلئے باعث زینت ہونا چاہیئے کیوں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم وملزوم ہیں۔

سورہ نساء میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وعاشروهن بالمعروف......... ويجعل الله فيه خيرا كثيرا ﴾(۴:۱۹)

''اور ان کے ساتھ معروف طریقہ سے زندگی بسر کرو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائیاں رکھ دیں ہیں''

3.4.3 عورت کے معاشرتی حقوق بحیثیت ماں

اسلام میں اللہ تعالی کی عبادت کے بعد اہمیت والدین کے احترام کو دی گئی ہے قران مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

'' تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی۔والدین کے ساتھ نیک سلوك کرو،تمارے پاس اگر ان میں سے

ایک یا دونوں، بوڑھے ہوکر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہوں انہیں جھڑك کر جواب نہ دو بلکہ ان سے احترام سے بات کرو ان سے نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہا کرو ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ پالا تھا"(۱۷: ۲۴،۲۳)

سورہ احقاف میں ارشاد ہے:

﴿ ووصینا الا نسان.........وحملہ و فصلہ ثلثون شھرا ﴾(۴۶: ۱۵)

"اور ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اسے جنا ہے۔اور اسکے حمل سے لیکر دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے"

احمد اور ابن ماجہ سے روایت ہونے والی ایک حدیث کا مفہوم ہے:

"جنت ماں کے قدموں تلے ہے"

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت کا مفہوم ہے:

"ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا کہ مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے ؟آپ ﷺ نے فرمایاں تیری ماں کا۔اس نے پوچھا اس کے بعد ؟آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں کا۔اس شخص نے تیسری بار پوچھا اسکے بعد؟آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں کا۔جب اس شخص نے چوتھی بار پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرے باپ کا"

گویا اس حدیث کی روشنی میں 75 فیصد عزت واحترام کی مستحق ماں ہے اور 25 فیصد باپ۔

اوپر دیئے گئے قران اور حدیث کی روشنی میں یہ بات واضع ہوجاتی ہے کہ اسلام نے عورتوں کو معاشرے میں کس قدر عزت اور اہمیت دی ہے۔

باب چہارم

ہندوستان میں مسلم خواتین کی صورتحال

ہندوستان میں مسلم خواتین کی صورتحال

عموماً لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد 712ء میں سندھ پر محمد بن قاسم کے حملے کے ساتھ ہوئی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ محمد بن قاسم کے حملہ سے قبل ہی مسلمان جنوبی ہندوستان میں دستک دے چکے تھے اور وہ یہاں تجارت کی غرض سے آئے تھے۔ یہاں کی خواتین سے انہوں ازدواجی رشتہ استوار کیا اور یہیں مالابار علاقے میں بس گئے جہاں پر وہ Mapillas کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں سب سے پہلی مسجد کی تعمیر بھی کیرالہ میں 629ء میں ہوئی۔ اس کے بعد گیارہویں اور بارہویں صدی میں مسلمانوں کی ہندوستان آمد نے یہاں پر سب سے زیادہ اثر ڈالا اور جس کے نتیجے میں ہندوستان کا سیاسی نقشہ ہی تبدیل ہو کر رہ گیا۔ 13ویں صدی کی شروعات سے لیکر انگریزوں کی آمد تک مسلمان حکمرانوں نے (چاہے وہ عہد سلطنت کے ہوں یا مغلیہ دور کے) ہندوستان کے زیادہ تر حصہ پر حکمرانی کی، لیکن وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا وقت کی اس فطری گردش کے ساتھ ساتھ مغلیہ سلطنت کا آفتاب بھی آہستہ آہستہ غروب ہونے لگا، جس کے نتیجے میں مغل سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی زندگی میں ہی انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی جگہ مضبوط کر لی اور چونکہ انگریزوں نے حکومت کرنے کی طاقت مسلمانوں سے حاصل کی تھی اسلئے وہ مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا حریف تصور کرتے تھے۔

1857 کے انقلاب کے بعد ملک میں مسلمانوں کے حالات اور بھی خراب ہوتے چلے گئے اب انگریزوں کو مسلمانوں سے بیر اور بھی بڑھ گیا معاشی بدحالی کے سبب مسلمان ہر اعتبار سے کمزور اور لاچار ہوتے چلے گئے۔ زیادہ تر سرکاری ملازمتوں کے دروازے تو ان پر پہلے ہی سے بند تھے تعلیمی مواقع سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ حالانکہ سرسید احمد خان جیسے رہنماؤں نے اپنی قوم کی تعلیم و ترقی کیلئے انگریزوں کی ماڈرن ایجوکیشن کی پالیسی سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی لیکن تعلیمی معیار گرنے کی وجہ سے مسلمان معاشی طور پر پچھڑ گئے، اور لاکھ کوششوں کے باوجود ہندوستان کا مسلمان آج بھی اس سے ابر نہیں پایا ہے۔ ہندوستانی مسلم رہنماؤں نے بھی اپنی قوم کے سماجی اور معاشی حالت پر اپنا دھیان مرکوز کرنے بجائے ہمیشہ مذہبی کارکردگیوں پر زیادہ توجہ دی تعلیم ، بے روزگاری، غریبی، مسلمانوں کی عوامی نمائندگی میں کمی وغیرہ بہت کم ہی ان کی توجہ کا مرکز رہی جس کے باعث آزادی کے 60 سال گزر جانے کے باوجود بھی کسی زمانہ میں ہندوستان پر حکمرانی کرنے والی مسلم قوم آج بھی تعلیمی اور معاشی

میدان میں دوسری پسماندہ طبقات سے بھی پیچھے ہیں۔اس میں کہیں نہ کہیں مسلمان اپنے حالات کے خود ذمہ دار ہیں۔کہیں انہیں حکومت کی جانب سے فائدہ حاصل نہیں ہوا تو کہیں انہوں نے فائدہ اٹھانا ہی نہیں چاہا۔اور اپنے خاندانی کام سے جڑے رہے۔زیادہ تر مسلمان سرکاری روزگار میں ہونے کے بجائے اعلی تعلیم کی کمی اور لاعلمی کی وجہ سے چھوٹے موٹے روزگار جیسے کی ڈرائیور' قلی' نائی' دھوبی' رکشہ پلر' بڑھئی' اور دیگر چھوٹے موٹے پیشوں سے جڑے رہے۔حالات یہیں بدتر نہیں ہوئے تھے۔1947 میں آزادی کی جنگ کے وقت ملک کے بٹوارے نے ہندو مسلمان اور دیگر مذاہب کے لوگوں پر بہت برا اثر ڈالا بہت سارے ہندوؤں اور مسلمانوں نے بٹوارے کے بعد ایک سے دوسری جگہ ہجرت کی اور بہتوں نے اپنے اپنے ملک میں رہنے کو عافیت سمجھی اور انہوں نے یہاں کی سیکولر طاقتوں کا ساتھ دینے کو ہی ترجیح دی اور بہت کی ہمت کے ساتھ حالات کا سامنا کیا لیکن کہیں نہ کہیں ملک کے بٹوارے نے ان کے سیاسی سماجی معاشی اور تعلیمی حالات پر اثر ڈالا کیوں کہ مسلمانوں کا خوشحال طبقہ یہاں سے ہجرت کر گیا اور باقی بچے مسلمان ہندوستان کی ترقی کے اصل دھارے میں پیچھے رہ گئے۔خون خرابے اور ہنگامے کے بعد جو مسلمان ہندوستان میں رہ گئے تھے وہ ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کی شکل میں ابھر کر سامنے آئے۔جس کا اندازہ جدول نمبر 4.1 سے لگایا جا سکتا ہے

جدول نمبر 4.1: 2001 مردم شماری کے مطابق ہندوستانی ریاستوں میں مسلم آبادی کا کل حصہ

ریاست	آبادی	فیصد	ریاست	آبادی	فیصد
جزیرہ لکش دیپ	56353	93%	دمن اور دیو	12281	7.7628
جموں کشمیر	6793240	66.9700%	گووا	92210	6.8422
آسام	8240611	30.9152%	مدھیہ پردیش	3841449	6.3655
مغربی بنگال	20240543	25.2451%	پانڈے چیری	59358	6.0921
کیرلہ	7863842	24.6969%	ہریانہ	1222916	5.7836
اترپردیش	30740158	18.4961	تمل ناڈو	3470647	5.5614
بہار	13722048	16.5329%	میگھالیہ	99169	4.2767
جھارکھنڈ	3731308	13.8474	چنڈی گڑھ	35548	3.9470
کرناٹک	6463127	12.2291	دادر نگر حویلی	6524	2.9589
اتراکھنڈ	1012141	11.9225	اڈیشہ	671985	2.0703
دہلی	1623520	11.7217	چھتیس گڑھ	409615	1.9661
مہاراشٹرا	10270485	10.6014	ہماچل پردیش	119512	1.9663

آندھرپردیش	6986856	9.1679	اروناچل پردیش	20675	1.8830
گجرات	4592854	9.0641	ناگالینڈ	35005	1.7590
منی پور	190939	8.8121	پنجاب	8005	1.5684
راجستھان	4788227	8.4737	سکم	7693	1.4224
انڈمان نکوبار	29265	8.2170	میزورم	10099	1.1365
تری پورا	254442	7.9533			

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

ان سب کے باوجود ہندوستان کی سرزمین پر ایسے شخصیات نے جنم لیا جنہوں نے نہ صرف ملک میں بلکہ دنیا میں بھی اپنا نام روشن کیا۔

4.1: ہندوستانی مسلم خواتین اور تعلیم

ایک تعلیم یافتہ عورت گھریلو سماجی ومعاشی اور دیگر ذمہ داریوں کو بہتر ڈھنگ سے نبھا سکتی ہے یعنی یہ نہ انسانیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی ہے بلکہ گھر اور باہری دنیا دونوں کو بہتر بنانے میں اپنا تعاون پیش کرتی ہے لیکن ہندوستان میں مسلم عورتوں کی شرح خواندگی مردوں کی شرح خواندگی سے بہت کم ہے۔جس کی ایک وجہ یہ بھی ہے جس میں ماں باپ لڑکیوں کو تعلیم دلانا تو ضروری سمجھتے تو ہیں لیکن بنیادی تعلیم تک ہی۔اعلی تعلیم کی ان کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔اور جو اس کو اہمیت دیتے ہیں تو انکے سامنے معاشی پریشانیاں ہوتی ہیں۔گھر کے آس پاس اچھے ادارے نہ ہونے کی وجہ سے بھی لڑکیوں کی تعلیم پر اثر پڑتا ہے۔جن کے پاس اچھا فیملی نظام ہے صرف وہی لوگ اپنی لڑکیوں کو اعلی تعلیم دلا سکتے ہیں جن کی تعداد بہت کم ہے۔بہت سے لوگ اس بات میں تو یقین رکھتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم تو ضروری ہے لیکن ان کو مذہبی اور ایسی تعلیم کی زیادہ ضرروت ہے جو ان کو ایک اچھی خاتون خانہ اور ایک آئڈیل ماں بنا سکے۔اور یہ ساری بندشیں و مجبوریاں لڑکوں کے ساتھ نہیں ہیں،جس کی وجہ سے دونوں کی شرح خواندگی میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔تعلیم نہ حاصل کر پانے کی مجبوری مسلم عورتوں کو معاشی طور پر بھی کمزور بناتی ہے۔

جدول نمبر 4.2: ہندوستان میں مسلمانوں کی شرح خواندگی جنسی بنیاد پر

رہائش	خواندہ		ناخواندہ	
	مرد	عورت	مرد	عورت
کل آبادی	39248081	27148553	18846513	27652034
فیصد	67.6	50.1	32.4	49.9
دیہی علاقہ	22624881	14742834	13678138	19818594
فیصد	62.3	42.7	37.7	57.3
شہری علاقہ	16623200	12405719	5168375	7233440
فیصد	76.3	63.2	23.7	36.8

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

جدول نمبر 4.2 کے مطابق ہندوستان میں مسلم مردوں کی شرح خواندگی 67.6 فیصد ہے جو کہ مسلم خواتین کی شرح خواندگی 50.1 فیصد کے مقابلہ زیادہ ہے دیہی علاقوں میں یہ فرق 62.3 کے مقابلہ 42.7 فیصد ہے اور شہری علاقوں میں 76.3 فیصد مرد اور 63.2 فیصد خواتین خواندہ ہیں۔اس کے ساتھ ہی تعلیم نہ حاصل کرنے والی مسلم خواتین کی تعداد 49.9 فیصد ہے جو کہ مردوں کی تعداد 32.4 فیصد کے مقابلہ زیادہ ہیں ۔ دیہی علاقوں میں مردوں کی ناخواندگی 37.7 ہے جبکہ مسلم عورتوں کی ناخواندگی 57.3 فیصد ہے ۔ شہری علاقوں میں مردوں کی ناخواندگی 23.7 فیصد ہے جبکہ 36.8 فیصد عورتیں ناخواندہ ہیں اور یہ بھی ایک بہت بڑے فرق کو واضح کرتی ہیں یعنی کی یہ سارے اعداد شمار اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے سماج میں وہ ساری سہولیات مہیا نہیں ہیں جو انہیں ملنی چاہئیں۔ان سب کے پس پردہ کچھ اہم وجوہات ہیں۔ ''مسلم عورتوں کی سب سے بڑی پریشانی ان کی اپنے مذہب میں دیئے گئے حقوق سے ناواقفیت ہے''[7]۔ اسکے علاوہ تعلیم کی کمی مشترکہ خاندانی نظام' غیر اسلامی رسم و رواج' خواتین کے ساتھ ظلم اور تشدد کے واقعات پیش آنا اور ان کو وہ حقوق و مرتبہ نہ ملنا جو اسلام نے ان کو عطاء کئے ہیں مسلم خواتین کے سماجی نابرابری کی جانب اشارہ کرتی ہیں ۔ ریاستی سطح پر دیکھا جائے تو ہریانہ میں 1/5 فیصدی مسلم خواتین پڑھی لکھی ہیں جبکہ یہ تعداد اتر پردیش' بہار' ناگالینڈ' اور جموں کشمیر میں 1/3 فیصدی ہے۔ پندرہ ریاستوں میں مسلم خواتین کی شرح خواندگی 50 فیصد سے بھی کم ہے ۔روزگار کے میدان میں بھی مسلم عورتوں کی موجودگی 31.1 فیصد کے ساتھ سب سے نچلے درجہ پر آتی ہے۔

7. صفیہ اقبال (1986) ''ویمین اینڈ اسلامک لاء''

ہندوستان میں مسلم خواتین کی اس حالات کا ذمہ دار یہاں کا Patriarchal نظام بھی ہے۔ زویا حسن اور ریتو مینن کے 2001 کے سروے کے مطابق ہندوستان کی بارہ ریاستوں کے چالیس اضلاع میں تقریباً 60 فیصد حصہ ناخواندہ ہیں کیوں کہ اسکولوں میں صرف 40 فیصد لڑکیوں کے نام ہی درج ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق پورے ملک سے 85 فیصد ناخواندہ عورتیں صرف شمالی ہندوستان کے دیہی علاقوں سے ہیں۔ 17 فیصد سے بھی کم لڑکیاں اپنے اسکول کے آٹھ سال پورے کرتی ہیں اور 10 فیصد سے کم ہائر سکینڈری جو ملکی سطح سے کم ہے۔

جدول نمبر 4.3: سطح شرح خواندگی، تعلیمی معیار، مذہب اور جنس کی بنیاد پر

مذاہب	مرد	عورت	کل تعداد
ہندو	76.16	53.21	65.09
مسلم	67.66	50.09	59.13
عیسائی	84.37	76.19	80.25
سکھ	75.23	63.09	69.45
بودھ	83.13	61.69	72.66
جین	97.41	90.58	94.08

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

جدول نمبر 4.3 مطابق اگر سارے مذاہب کے خواتین کی شرح خواندگی پر نظر ڈالی جائے تو جین مذہب کی خواتین 90.58 فیصد کے ساتھ سب سے آگے ہیں اسکے بعد عیسائی 76.19 فیصد، سکھ 63.09 فیصد، بدھسٹ 61.69 فیصد، ہندو 53.21 فیصد اور سب سے آخر میں مسلم خواتین کی شرح خواندگی 50.09 فیصد ہے ، اور اس طرح سے مسلمان خواتین تعلیمی میدان میں دوسروں کے مقابلہ کتنا پیچھے ہیں اس کی تصویر صاف ہے اور جب تعلیم ہی نہیں تو بہتر زندگی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے۔

4.2: ہندوستانی مسلم خواتین اور روزگار

مسلمان ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہیں لیکن یہ اقلیت مجموعی طور پر معاشی پسماندگی کا شکار ہے جس کے سبب ان کی حالت قابل رحم ہے بلکہ بعض حیثیتوں دوسرے پسماندہ طبقوں سے بھی بدتر ہے اس لئے اس بات کا اندازہ لگانا دشوار طلب نہ ہوگا کہ جہاں مسلم طبقہ ہی بدتری کا شکار ہے وہاں مسلمان عورتوں کی کیا حالت ہوگی اور اس حقیقت کا انکشاف سچر کمیٹی کی رپورٹ سے ہوتا ہے کہ تعلیمی، معاشی اور سماجی تینوں سطحوں پر مسلم خواتین پچھڑے طبقہ کی خواتین سے بھی پست حیثیت پر ہیں اس کے علاوہ دیگر تحقیقات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ روزگار کے میدان میں ہندو اور عیسائی عورتوں کی موجودگی دیگر مذاہب کی خواتین سے زیادہ ہے اور اس میں مسلم خواتین سب سے نچلے سطح پر آتی ہیں 2001 مردم شماری کے مطابق ہندوستان کے معاشی میدان میں عورتوں کی موجودگی 25.6 فیصد ہے اور ان میں مسلم خواتین کی تعداد صرف 14.1 فیصد ہے۔

2001 مردم شماری کے مطابق مسلمان ہندوستان کی آبادی میں 13.4 فیصد کے حصہ دار ہیں اور دنیا میں مسلمانوں کی بڑی آبادی دوسرے نمبر پر ہندوستان میں ہی ہے۔ روزگار میں شامل مسلمان عورتوں کی سماجی اور معاشی حالات کا جائزہ مندرجہ ذیل مختلف اعداد وشمار سے نکل کر آتا ہے:

جدول نمبر 4.4: ہندوستان میں مسلمانوں کی کل آبادی جنس کی بنیاد پر، جنسی تقابل، مسلم آبادی میں اضافہ کی شرح

مردم شماری	افراد	مرد	خواتین	جنسی تناسب	اضافہ %
2001	138,188,240	71,374,134	66,814,106	936	(1991-2001)36.0
1991	101,596,057	52,632,365	48,964,692	930	(1981-199)34.5
1981	75,512,439	38,989,763	36,522,676	937	(1971-1981)22.9

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

جیسا کہ جدول نمبر 4 . 4 میں دکھایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی آبادی بہت تیزی سے بڑھی ہے اور 1981 سے 2001 کے بیچ یہ 22.9 فیصد سے 36 فیصد ہوگئی ہے اور مسلمانوں کا جنسی تقابل قومی سطح پر

936 ہے جب کہ دیگر مذاہب کا جنسی تقابل قومی سطح پر 933 ہے یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ جنسی تقابل میں گراوٹ عورتوں کی خراب صحت اور بدتر زندگی جینے کی عکاسی کرتے ہیں مطلب کی عورت اور مرد کی زندگی جینے کے فرق کو واضع کرتے ہیں۔

جدول نمبر 4.5: ہندوستان میں مسلمانوں کی روزگار میں نمائندگی جنسی بنیاد پر

مقام رہائش	خواتین	مرد	افراد	جنسی تناسب
ہندوستان	9,409,880	33,886,213	43,296,093	278
فیصد	21.7	78.3	100	
دیہی علاقہ	7,591,905	21,559,619	29,151,524	352
فیصد	26	74	100	
شہری علاقہ	1,817,975	12,326,594	14,144,569	147
فیصد	12.9	87.1	100	

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

جیسا کہ جدول نمبر 4.5 سے واضع ہوتا ہے کہ 2001 مردم شماری کے مطابق ہندوستان کی کل آبادی میں 31.3 فیصد حصہ ایسے مسلمانوں کا ہے جو کہ روزگار سے جڑے ہوئے ہیں یعنی کہ 138,188,240 میں سے 43,296,093 مسلمان کام کرنے والے ہیں اور ان میں سے 33,886,213 مرد ہیں اور صرف 9,409,880 عورتیں ہیں۔ مسلم آبادی میں کام کرنے والی آبادی کا جنسی تقابل 1000 مرد پر صرف 278 عورتوں کا ہے۔ مسلم آبادی کی ایک بڑی تعداد (29,151,524) دیہی علاقوں میں مزدوروں اور کاشت کاروں کی شکل میں کام کرتی ہے جن میں سے مردوں کی تعداد 21,559,619 ہے اور مسلمان عورتوں کی تعداد 7,591,905 ہے اور دیہی علاقوں کی عورتوں کا جنسی تقابل 352 ہے جو کہ شہر کے جنسی تقابل 147 سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ شہروں میں روزگار سے جڑنے والے 14,144,569 لوگوں میں 12,326,594 مرد اور 7,817,975 خواتین ہیں

جدول نمبر 4.6: ہندوستان میں مسلم سماج کی روزگار میں نمائندگی جنسی بنیاد پر

خواتین	مرد	کل تعداد	ہندوستان /ریاست اور مرکز کے زیر انتظام خطہ
14.1	47.5	31.3	ہندوستان
22.0	47.2	35.1	جموں کشمیر
22.0	56.3	45.9	ہماچل پردیش
32.9	57.7	40.3	پنجاب
7.3	60.6	39.6	چنڈی گڑھ
6.4	46.0	27.5	اترا کھنڈ
29.4	45.2	37.8	ہریانہ
4.8	51.3	30.9	دہلی
21.7	46.7	34.7	راجستھان
12.4	44.6	29.1	اترپردیش
15.1	45.8	30.9	بہار
13.6	70.9	53.4	سکم
18.4	61.6	45.0	اروناچل پردیش
16.2	60.5	43.6	ناگالینڈ
29.6	43.7	36.8	منی پور
37.9	86.5	76.1	میزورم
11.2	46.2	29.2	تریپورا
11.8	48.9	31.4	میگھالیہ
9.7	47.2	29.1	آسام
14.0	50.5	32.9	مغربی بنگال
18.8	43.5	31.6	جھارکھنڈ
6.8	45.9	26.9	اڑیشہ
15.0	48.5	32.3	چھتیس گڑھ
16.9	47.6	32.8	مدھیہ پردیش
13.0	51.1	32.7	گجرات
7.3	61.6	37.5	دمن اور دیو
11.0	64.3	42.5	دادر نگر حویلی
12.7	50.0	32.4	مہاراشٹر
16.8	50.1	33.8	آندھرا پردیش
19.9	52.1	36.4	کرناٹک
10.9	54.6	34.3	گوا
7.1	38.9	23.0	لکشدیپ
5.9	42.0	23.2	کیرلا
11.9	52.0	31.8	تمل ناڈو
4.2	46.5	24.4	پانڈے چیری
12.1	53.8	34.5	انڈمان نکوبار

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

جدول نمبر 4.6 کے مطابق سب سے زیادہ کام کا جو مسلم عورتوں کی تعداد 30 فیصد سے زیادہ ہے جس میں کہ ہماچل پردیش (32.9) فیصد اور میزورم (37.9) فیصد ہے اور سب سے کم یعنی کی 10 فیصد سے کم اعداد و شمار نو ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام ریاستوں (UT) سے آتی ہے جبکہ 10 سے 20 فیصد کی تعداد دوسری 21 ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام ریاستوں میں ریکارڈ کی گئی ہے کل ملا کر مرد اور عورتوں کے کام کرنے میں ایک بڑا فرق پایا گیا ہے۔ دوسری طرف مسلمان عورتوں کی کل آبادی 66,814,106 میں سے 57,404,226 یا 85.9 فیصد خاتون خانہ ہیں۔ نتیجاً صرف 14.1 فیصد عورتیں روزگار میں ہیں۔

جدول نمبر 4.7: ہندوستان میں مسلمانوں کی نمائندگی پیشے اور جنس کی بنیاد پر

SEX جنس	TOTALWORKERS مجموعی افرادی قوت	CULTIVATORS کاشت کار	AGRICULTUREAL LABOURERS کاشت سے وابستہ مزدور	HOUSEHOLD INDUSTRY WORKERS گھریلو صنعتی مزدور	OTHER WORKSERS دیگر
T	43,296,093 (100)	8,979,686 (20.7)	9,545,976 (22.1)	3,520,467 (8.1)	21,249,964 (49.1)
M	33,886.213 (100)	6,910,438 (20.4)	6,645,706 (19.4)	1,708,121 (5)	18,621,948 (55)
F	9,409,880 (100)	2,069,248 (22)	2,900,270 (30.8)	1,812,346 (19.3)	2,628,016 (27.9)

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

جیسا کہ جدول نمبر 4.7 سے ظاہر ہوتا ہے کہ زراعت کے شعبہ میں مسلم مردوں کی تعداد 20.4 فیصد ہے تو خواتین کی 22 فیصد، مزدوری میں مرد 19.6 فیصد ہیں اور خواتین 30.8 فیصد جبکہ گھریلو صنعتوں میں کام کرنے والے مردوں کی تعداد 5 فیصد ہے اور خواتین کی 19.3 فیصد، دیگر کاموں میں 55 فیصد مرد ہیں اور 21.9 فیصد عورتیں ہیں اور اس طرح زیادہ تر کام کرنے والی مسلم خواتین دیہی علاقوں سے ہیں اور مزدوری اور زراعت سے جڑی ہوئی ہیں اور شہر میں بھی زیادہ تر عورتیں چھوٹے موٹے کام گھریلو کام کاج نوکری اور مزدور پیشہ ہوتی ہیں آخر میں یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ روزگار میں شامل مرد اور عورتوں کی تعداد میں ایک بڑا فرق ہے ہندوستان کے سماجی اور معاشی حالات کو سدھارنے کیلئے ضرورت ہے کہ عورتوں کی ترقی کیلئے کچھ مخصوص پروگرام ترتیب دیئے جائیں اور انکو صرف کاغذوں

تک محدود رکھنے کے بجائے عملی جامہ بھی پہنایا جائے۔رسم رواج کو ختم کیا جائے اور ساتھ ہی زندگی میں کچھ کرنے کیلئے انہیں آزادی اور مواقع فراہم کئے جانے چاہئے۔ان کو انکے حقوق سے آگاہ کرایا جائے جس سے کہ سماج میں وہ اپنی ایک پہچان بنا سکیں۔

4.3: ریاست اتر پردیش میں مسلم خواتین کی صورتحال

اتر پردیش ہندوستان کی سب سے زیادہ آبادی والی ریاست ہے۔یہاں کی کل آبادی تقریباً 190 ملین ہے۔ 2001 مردم شماری کے مطابق یہاں کی کل آبادی کا 80 فیصد حصہ ہندو ہیں جبکہ تقریباً 18 فیصد مسلمان ہیں اور بقیہ 2 فیصد میں سکھ بودھ اور عیسائی آتے ہیں۔

جدول نمبر 4.8: 2001 میں اتر پردیش کی آبادی و تعلیمی میعار کی شرح

193,917,000	کل آبادی
792/km2 (2,051/sqml.)	DENSITY کثافت
111.4	جنسی تقابل
61.6%	شرح خواندگی
70.22%	مرد
42.99%	خواتین
ہندی اردو	سرکاری زبان
243286	رقبہ

Source:www.UpGov.nic.in

ہندوستان کی آزادی کے بعد ریاست اتر پردیش نے ترقی کے کئی مراحل طے کئے لیکن زمین دارانہ نظام کے خاتمے اور ملک کے بٹوارے نے اتر پردیش کے مسلمانوں کی تعلیم و ترقی پر منفی اثر ڈالا۔ملک کے بٹوارے کے بعد اردو اور فارسی کو سرکاری زبان کے درجے سے ہٹائے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کی تعلیم کے علاوہ ان کی معاشی حالات پر بھی اثر پڑا۔کیوں کہ انکو نوکریوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑا،سر سید احمد خان اور دوسرے بڑے رہنماؤں کی کوششوں کے باوجود زیادہ تر مسلمان تعلیمی میدان میں پیچھے رہ گئے اور جس کے سبب انکی معاشی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی اور ان

سب چیزوں نے ریاست اتر پردیش جو کہ سرزمین اردو کہی جاتی تھی یہاں کے مسلمانوں کو انگریزی زبان سے ایک لمبے عرصہ تک دور رکھا۔ پاکستان قیام کے بعد اتر پردیش کے مسلمانوں کے ساتھ فرقہ وارانہ فسادات کے علاوہ اور بھی کئی طرح کے بھید بھاؤ شروع ہو گئے' جس نے کافی عرصہ تک یہاں کے مسلمانوں کو ترقی سے دور رکھا اور انہیں سب وجوہات کی باعث مسلمانوں کی شرح خواندگی جو کہ بٹوارے سے پہلے سب سے زیادہ ''42 فیصد'' تھی 1951 میں صرف 9 فیصد رہ گئی۔ اور بدقسمتی سے ترقی کے باوجود اتر پردیش آج بھی ہندوستان کی دیگر ریاستوں کی طرح تعلیمی میدان میں آگے نہیں ہیں۔۔ لیکن تعلیم نہ حاصل کرنے کے لئے کئی عوامل ذمہ دار ہیں جیسے کی غریبی، تعلیم کی اہمیت سے ناواقفیت، سیاسی وسماجی امتیاز، سرکاری وغیر سرکاری نوکریوں میں مناسب حصہ داری نہ ملنا وغیرہ ہے لیکن یہاں کے مسلمانوں کا حوصلے پست نہیں ہے اور وہ بھی ملک کی ترقی میں آگے بڑھنے کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

جدول نمبر 4.9: 2001 میں اتر پردیش کی مسلم آبادی و تعلیمی معیار کی شرح

30,740,158	ریاست اتر پردیش میں مسلمانوں کی کل آبادی
18.5%	مسلم آبادی کا فیصد
918	مسلم جنسی تقابل
935	جنسی تقابل (0-6Years)
20.9	0-6 سال بچوں کا آبادی میں حصہ
47.8	شرح خواندگی
37.8	خواتین کی شرح خواندگی

Source:Census of India, (2001),The Report on Religion.

اتر پردیش کے مسلمانوں کے سامنے دوسرا بڑا چیلینج عورتوں کی تعلیم کا بھی ہے۔ 2001 مردم شماری کے مطابق ریاست میں مسلم مردوں کی شرح خواندگی 47.8 فیصد ہے جبکہ عورتوں کی شرح خواندگی 37.4 فیصد ہے۔ مسلم خواتین کا جنسی تقابل 918 ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے حوالے سے مسلم والدین اپنی بچیوں کو مخلوط تعلیم اور دور دراز کے اسکول اور کالج میں بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں جس کے سبب بہت سی ذہین اور قابل لڑکیوں کی تعلیم ادھوری رہ جاتی ہے اور انکو دوران تعلیم ہی اسکول سے نکال لیا جاتا ہے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اعلی تعلیمی ادارے کھولے جائیں تاکہ مسلم لڑکیوں کی اعلی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش دور بھیجنے کے ڈر سے ادھوری نہ رہ

جائے۔اور مسلم خواتین کو اس حقیقت سے روشناس کرایا جائے کہ اسلام نے بھی عورتوں کی تعلیم کو اہمیت دی ہے ۔اتر پردیش میں تعلیم وترقی کوفروغ دینے والوں کے سامنے سب سے بڑا چیلینج یہ بھی ہے کہ زیادہ تر بچے اور بچیاں جن کی عمر اسکول جانے کی ہوتی ہے قالین، بیڑی کے کارخانوں اور دیگر جگھوں پر غریبی کے باعث مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔مرزا پور اور بھدوہی ہندوستان کی قالین صنعت کے 80 فیصد حصہ دار ہیں اور یہ بہت افسوس ناک بات ہے کہ مسلم بچوں کے ہاتھوں میں جس وقت قلم ہونا چاہئے اس وقت وہ ان کارخانوں میں جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔حالانکہ بچہ مزدوری کے خلاف بہت سارے قانون وضع کئے گئے ہیں لیکن مسلمانوں کی زیر نگرانی ان قالین فیکٹریوں میں مسلم بچوں کی تعداد بہت زیادہ ہے جو کہ دو وقت کی روٹی کی خاطر یا تو اسکول جاتے ہی نہیں یا جلد ہی اسکول سے نکال لئے جاتے ہیں تاکہ اپنے خاندان کی کفالت کر سکیں۔اس طرح سے تعلیم کی کمی ان کی زندگی میں اندھیرے کے سوا اور کچھ لیکر نہیں آتی۔ان کو جب اچھی تعلیم ہی نہیں تو پھر اچھا روزگار بھی مہیا نہیں ہوتا یہی وجوہات مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں حائل ہوتے ہیں۔مسلم لڑکیوں کو پردے، معاشی وسماجی مجبوری کا نام دیکر تعلیم وترقی سے روک دیا جاتا ہے۔اتر پردیش کے مسلمانوں کو ان مقامی کارخانوں سے بہت سارے فوائد بھی حاصل ہیں جیسے کہ ان کو روزگار ملتا ہے ان فیکٹریوں میں ان کے بیوی بچے بھی کام کرتے ہیں بچہ مزدوری حالانکہ غیر قانونی ہے لیکن کہیں نہ کہیں ان سے ان کی زندگی چلتی ہے۔

اتر پردیش کا ایک دوسرا اور روشن پہلو یہ بھی ہے کہ آج مسلمان تعلیم وترقی میں آگے بڑھ رہے ہیں مسلم لڑکیاں بھی اپنی ماضی کو بھلا کر اصل دھارے میں شامل ہو رہی ہیں تاکہ سر سید احمد خان جیسے رہنماؤں کے خواب کو شرمندہ تعبیر کر سکیں، اعلی تعلیم کے ساتھ بہتر روزگار میں شامل ہو رہی ہیں اگر ایسی ہی ترقی ہوتی رہی تو ایک روشن مستقبل انکے سامنے ہے

4.4: ضلع اعظم گڑھ میں مسلم خواتین کی صورتحال

اعظم گڑھ ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کا ایک ضلع ہیڈ کوارٹر ہے۔ یہ شہر مشرق میں مؤ، شمال میں گورکھپور، جنوب مشرق میں غازی پور، جنوب مغرب میں جونپور، مغرب میں سلطان پور، اور شمال مغرب میں امبیڈکر نگر سے گھرا ہے۔

اعظم گڑھ کی بنیاد 1665 میں مغل بادشاہ شاہجہاں کے دور حکومت میں اعظم خان (جو کہ ایک راجپوت زمیندار کے بیٹے تھے) نے ڈالی تھی اور اسے اپنے نام پر اعظم گڑھ کے نام سے موسوم کیا۔ جسے فرنگی حکومت نے 18 ستمبر 1832 میں ایک ضلع کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ اعظم گڑھ یونان ہند کے نام سے بھی موسوم ہے کیوں کہ یہ شہر عظمت و رفعت، دلکشی و دلکشائی، معارف پروری، وکشادہ ظرفی، میں اپنی مثال آپ ہے اعظم گڑھ کے قدیم حالات اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ یہاں سب سے پہلے "آریوں" نے دستک دی اور یہاں کے اصل باشندے آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں جن کے مشہور قبیلے اور ذاتیں گھوسی، سیوری، راج بھر، چیروں، راٹھور، راوت، اور چھتریاں ہیں۔ اعظم گڑھ کی کچھ خاص مسلم برادری انصاری خانزادہ اور زمیندارہ ہیں اعظم گڑھ کی تہذیب اودھی تہذیب سے بہت متاثر ہے یہاں کی بولی جانے والی زبان میتھلی اودھی اور بھوجپوری تھی جو کی یہاں کی مذہبی زبان کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ اعظم گڑھ علمی و ادبی، مذہبی و تاریخی اعتبار سے بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے ہندوؤں کے قدیم گرنتھوں، شاستروں، ویدوں اور دھارمک رچناؤں میں اس جگہ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے یہ سرزمین قدیم زمانہ سے ہی مقدس اور پرنور رہی ہے اس کو سادھوسنتوں، رشی مُنیو، تیاگیوں، اور بیراگیوں کی عبادت گاہ اور دیوی دیوتاؤں کا مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے ۔ بنیادی طور پر ایک دیہی اور کھیتی باڑی والا علاقہ ہونے کی وجہ سے بھی اعظم گڑھ اور اس کے گاؤں پرانے زمانے کی لڑائی جھگڑے سے دور رہے اور ایک پرسکون زندگی بسر کی۔ اعظم گڑھ کی سرزمین بہت زرخیز ہے گیہوں چاول اور گنے کی کھیتی یہاں بڑے پیمانے پر ہوتی ہے اس کے علاوہ آم اور امرود کے باغات یہاں کثیر تعداد میں ہیں۔ اعظم گڑھ ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے بھی بہت اچھی طرح سے جڑا ہوا ہے حالیہ دنوں میں یہاں سے دو براہ راست ٹرینیں دہلی اور ممبئی کیلئے شروع ہوئی ہیں۔

جدول نمبر4.10: 2001 میں اعظم گڑھ کی آبادی وتعلیمی معیار کی شرح

DATE OF FORMATION	قیام کی تاریخ	SEPTEMBER 18,1832
AREA	رقبہ	4234sq.Km
LATITUDE	عرض بلد	25 38 And 26 27 North
LONGITUDE	لمبا،طول بلد	82 40 and 83 52 East
ALTITUDE	سطح سمندر سے اونچائی	77.65m
POPULATIN(2001)	آبادی	39,50,808
POPULATION DENSITY	کثافت	745per sq.km
SEX RATIO	جنسی تناسب	1007 Femail per1000 male
LITERACY RATE	شرح خواندگی	*78.89(2001)*
NO OF TESIL	تحصیل	*07*
NO OF BLOCK	بلاک	*22*
NO OF VILLAGE	گاؤں	4122
AVERAGE RAIN FALL	اوسط بارش	1021.3mm
POSTAL CODE	پوسٹل کو	276001
STD CODE	ایس ٹی ڈی کوڈ	05462

Source: Website of Dist Azamgarh:azamgarh.nic.in

2001 کی مردم شماری کے مطابق اعظم گڑھ کی آبادی39,50,808ہے جس میں کی مردوں کی تعداد49فیصد ہے جبکہ خواتین51فیصد ہے۔شرح خواندگی78.89فیصد ہے۔19فیصدی آبادی6سال سے کم عمر کی ہے۔
19ویں صدی میں اعظم گڑھ کوایک نئی اہمیت اور پہچان حاصل ہوئی جب علامہ شبلی نعمانی (عالم دین ومعروف مسلم اسکالر) نے شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کا بیڑہ اٹھا۔علامہ شبلی نعمانی سرسید احمد خان سے بہت متاثر تھےاوراسی کا نتیجہ تھا کہ شبلی نعمانی نے بھی1883میں شبلی نیشنل کالج کی بنیاد ڈالی اس کے بعد انہوں نے 1914میں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی کی بنیاد ڈالی اوراسی اکیڈمی کے ذریعہ ایک ماہانہ رسالہ ''معارف'' شائع ہوتا ہے ۔شبلی نعمانی کی محنت اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اس ادارے سے آج بھی شمالی ہندوستان کے کثیر مسلمان فیض حاصل

کررہے ہیں۔

یہ علامہ شبلی نعمانی کی محنت کا نتیجہ تھا کی اعظم گڑھ کے مسلمانوں میں بیداری آئی اور وہ یک جٹ ہوکر اپنی ملک کی آزادی کیلیئے لڑے اور خاص طور سے **Civil Disobidience Movement** اور **Quit India Movement** میں ان کی شرکت قابل غور ہے، اور یہ کوئی پہلا موقع نہیں تھا جب اعظم گڑھ کے لوگوں نے اپنے حقوق کے لئے آواز بلند کی۔ آزادی کی لڑائی میں مہاپنڈت راہل سنکرتیان نے بہت بڑا کردار ادا کیا وہ ایک بڑے تاریخ داں، مصنف، سماج سدھارک، اور قوم پرست تھے۔ انگریزوں کے خلاف آزادی کی مہم کے دوران وہ تین بار جیل بھی گئے۔ 1857 کے آزادی کی جنگ میں اعظم گڑھ کے ہندو اور مسلم زمیندار جو کہ روتارا کے نام سے جانے جاتے ہیں نمایاں کردار ادا کیا، غرض یہ کہ اعظم گڑھ تاریخ کے آئینہ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔

ملک کے بٹوارے کے بعد اعظم گڑھ کے مسلمانوں نے ایک کثیر تعداد میں مغربی اور مشرقی پاکستان کی جانب ہجرت کی اور خاص کر مشرقی پاکستان جو کہ آج بنگلہ دیش کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لیکن انکے اس اقدام سے یہاں بچے مسلمانوں کی تعلیم و ترقی پر اثر ہوا اور وہ ملک کی ترقی کے اصل دھارے سے کٹ کر رہ گئے۔

ان سب کے باوجود اعظم گڑھ کے مسلمانوں نے ملک و عالمی سطح پر اپنا نام روشن کیا۔ جن میں مشہور سائنسداں پروفیسر اسرار احمد، شمیم جے راج پوری، چیف جسٹس اقبال احمد، مشہور اردو شاعر کیفی اعظمی، نامور اردو مصنف اقبال سہیل اور عالمی شہرت یافتہ اداکارہ شبانہ اعظمی قابل ذکر ہیں۔

پچھلے 61 سالوں میں اعظم گڑھ کی تعلیم و تہذیب کی شمع اور روشن ہونے کے بجائے مدھم ہوتی چلی گئی کیوں کی یہاں پر ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے سرکاری یا غیر سرکاری اداروں میں اپنی نمایاں خدمات انجام دی ہوں۔ اعظم گڑھ میں تعلیم اور روزگار کے مواقع بہت نہ ہونے کی وجہ سے مسلم نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد دوسرے بڑے شہروں جیسے دہلی، ممبئی، لکھنو، کولکاتا، الہ آباد، علی گڑھ، بنارس اور پٹنہ کا رخ کرتے ہیں ایک بڑی تعداد میں اعظم گڑھ کے مسلم طالب علم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، جامعہ ہمدرد اور الہ آباد، بنارس یا پھر لکھنؤ یونیورسٹی کا رخ کرتے ہیں اس کے علاوہ اور بہت سے مسلم نوجوان اسلامی تعلیمی ادارے مثلاً دارلعلوم دیوبند، ندوۃ علوم لکھنؤ جامعۃ الفلاح

بلریا گنج کا رخ کرتے ہیں۔لیکن ان میں مسلم خواتین کی تعداد بہت کم ہوتی ہے کیونکہ لوگ اپنی بچیوں کو ماحول کی وجہ سے دور بھیجنے سے ہچکچاتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے جس مقصد کے تحت اسکول اور اسکالر اکیڈمی قائم کی تھی وہ اپنے ارادوں میں کچھ خاص کامیاب نہیں رہی۔ یہاں کے زیادہ تر مسلمانوں نے اپنے آپ کو ایک خول میں بند کر رکھا ہے اور اپنے مقاصد کو صرف مقامی سطح پر مقید کر رکھا ہے۔

ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اس جگہ نے کوئی خاص تعلیمی اور صنعتی ترقی نہیں کی۔ جس کی وجہ سے اس شہر کے مسلمانوں نے کامیابی ہونے کی چاہ میں دوسرے بڑے شہروں اور بیرون ممالک کا رخ کیا۔ایک بڑی تعداد میں تعلیم و ترقی کی چاہ میں دوسری جگہوں پر ہجرت کرنے کے باوجود اعظم گڑھ کے مسلمان اس نئی جگہ اور نئے لوگوں میں اچھی طرح سے گھل مل نہیں پاتے۔مغربی پاکستان میں اعظم گڑھ کے مسلمان نا تو پنجابی اور سندھیوں سے گھل مل پائے اور نہ ہی مشرقی پاکستان میں بنگالیوں سے۔انہیں تو بس اپنی اردو اور اودھی پہچان پر فخر رہا اور اسی وجہ سے دونوں ہی جگہوں کے تہذیب وتمدن میں وہ گھل مل نہیں پائے۔

1980 میں جیسے ہی سعودی عربیہ اور خلیجی ممالک میں روزگار کے دروازہ کھلے تو ایک بڑی تعداد میں اعظم گڑھ کے مسلمانوں نے وہاں کا رخ کیا ان لوگوں نے وہاں جا کر اچھا پیسہ کمایا اور اپنے گھر والوں کو بھیجنا شروع کیا اعظم گڑھ کے مسلمانوں نے بیرونی ممالک میں پیسہ تو بہت کمایا لیکن ان پیسوں کو کسی میڈیکل کالج،انجینئرنگ کالج، کوئی پروفیشنل کالج پر صرف کرنے کے بجائے اپنے ذاتی مفاد پر خرچ کرنے کو ترجیح دیا،اور صدیوں پرانے شبلی نیشنل کالج پر ہی اکتفا کرتے رہے حالانکہ اس طرح کی مثال بھٹکل میں بھی دیکھنے کو ملتی ہے جو کہ کرناٹک کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں کے لوگ بھی خلیجی ممالک اور امریکہ میں روزگار کے سلسلہ میں رہتے ہیں لیکن اپنے علاقہ کی ترقی کے بارے میں بھی سوچتے ہیں نتیجۂ آج بھٹکل میں کئی بڑے تعلیمی مراکز موجود ہیں اس کے برعکس اعظم گڑھ کے مسلمان اپنی دولت کو گھر،گاڑی اور دوسری غیر ضروری رسم و رواج میں صرف کرتے ہیں[8]۔

اسکے علاوہ سیاسی میدان میں بھی یہاں کے لوگوں کو خاصی دلچسپی ہے یہاں پر کانگریس،سماجوادی،بی جے پی اور بہوجن سماج پارٹی کا غلبہ ہے اور یہ پارٹیاں صرف یہاں کے مسلمانوں کو گمراہ کر کے صرف اپنا ووٹ بینک بنا رہی ہیں آج جب

8.kaleem Khwaja, (Oct12,2008)"Azamgarh Muslim Should Turn A New Page"

یہاں کے مسلمانوں کو ان پارٹیوں کی مدد کی ضرورت ہے تو صرف جھوٹی تسلی کے علاوہ انہیں کچھ نہیں ملتا۔
لہذا یہاں مسلمانوں نے اپنے حالیہ مسائل کو حل کرانے کیلئے ایک پارٹی کی ضرورت محسوس کی اوراسی کے نتیجہ میں ایک سیاسی پارٹی علماء کونسل کا وجود عمل میں آیا۔ سیاسی میدان میں یہاں کی مسلم خواتین کی موجودگی نا کے برابر ہے۔
اعظم گڑھ کی مسلم خواتین کا تعلیمی معیار کا جائزہ لینے پر پتہ چلتا ہے کہ پچھلے دودہوں سے یہاں کی مسلمان عورتوں میں تعلیمی بیداری آئی ہے اور وہ مردوں کو کڑی ٹکر دے رہی ہیں شبلی کالج کے دس ہزار طالب علموں میں سے چار ہزار لڑکیاں ہیں جن میں سے 65 فیصد مسلم لڑکیاں ہیں۔ شہر کی مسلم خواتین نے تعلیم اور صحت دونوں ہی شعبوں میں اپنی موجودگی درج کرائی ہے اعظم گڑھ شہر میں نسواں کالج، فاطمہ گرلز کالج داؤد پور، عائشہ صدیقہ کالج بینا پارہ، سرسید ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ، میہ نگر انٹر کالج اور ڈگری کالج، جامعہ اصلاح البنات، شوکت اعظمی کمپیوٹر انفارمیشن انسٹی ٹیوٹ وغیرہ کچھ نامور ادارے ہیں جو کہ لڑکیوں کے تعلیم وترقی کیلئے شروع کئے گئے اوران کے مستقبل کو روشن کرنے کی امید جگاتے ہیں

باب پنجم

معطیات کا تجزیہ اور تشریح

عام معلومات

Table 5.1.1

ازدواجی حیثیت

فیصد	تعداد	جوابدہ کی ازدواجی حیثیت
74.0	74	غیر شادی شدہ
25.0	25	شادی شدہ
1.0	1	دیگر (طلاق شدہ)
100.0	100	تعداد

جدول نمبر 5.1.1 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 74 فیصد خواتین غیر شادی شدہ ہیں جبکہ 25 فیصد خواتین شادی شدہ ہیں اور ایک فیصد دیگر کے درجہ میں آتی ہیں جو کہ ایک طلاق شدہ خاتون ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.1.1 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph 5.1.1

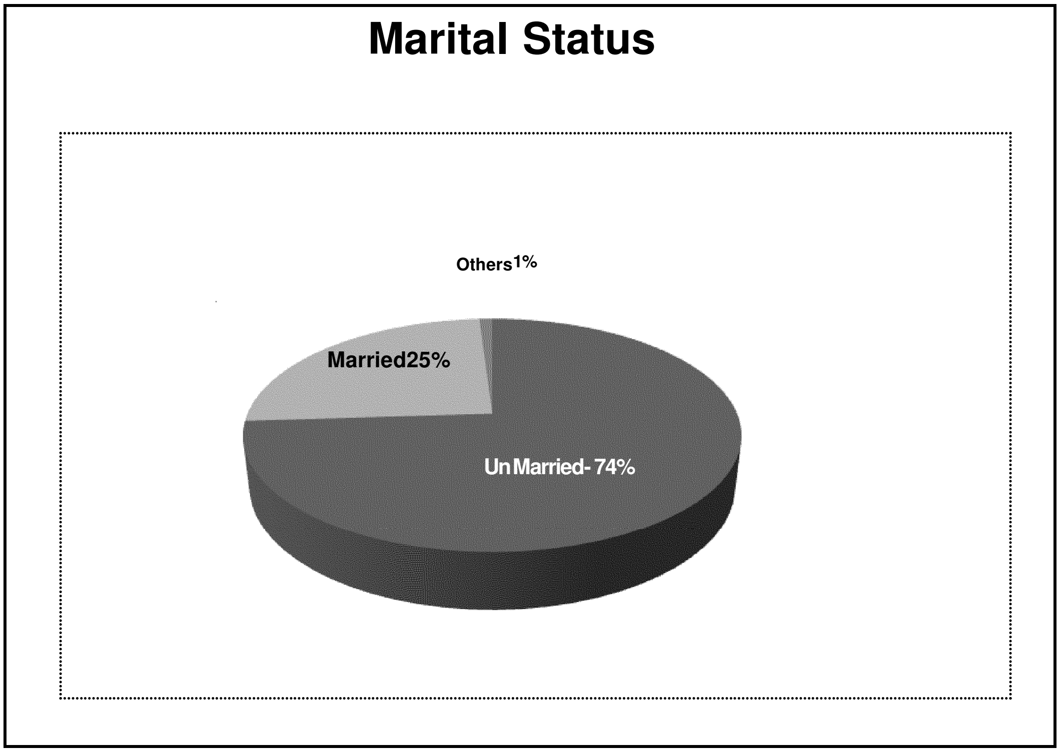

Table 5.1.2

تعلیمی لیاقت

تعلیمی لیاقت	تعداد	فیصد
مدرسہ	15	15.0
پرائیمری	5	5.0
سیکنڈری	23	23.0
ہائرسیکنڈری	34	34.0
پروفیشنل	9	9.0
دیگر(BA MA)	14	14.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.1.2 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 15 فیصد خواتین نے مدرسہ بورڈ سے تعلیم حاصل کی ہے جبکہ صرف پانچ فیصد خواتین نے پرائمری درجہ تک تعلیم حاصل کی ہے اور 23 فیصد سیکنڈری درجہ اور سب سے زیادہ یعنی 34 فیصد نے ہائرسیکنڈری درجہ تک تعلیم حاصل کی ہے اور نو فیصد خواتین پروفیشنل کورسس (BUMS) وغیرہ کر رہی ہیں یا کر چکی ہیں اور 14 فیصد تعداد ایسی خواتین کی ہے جو کہ گریجویشن یا ماسٹرس کی ڈگری رکھتی ہیں۔اس اوسط کو گراف 5.1.2 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph 5.1.2

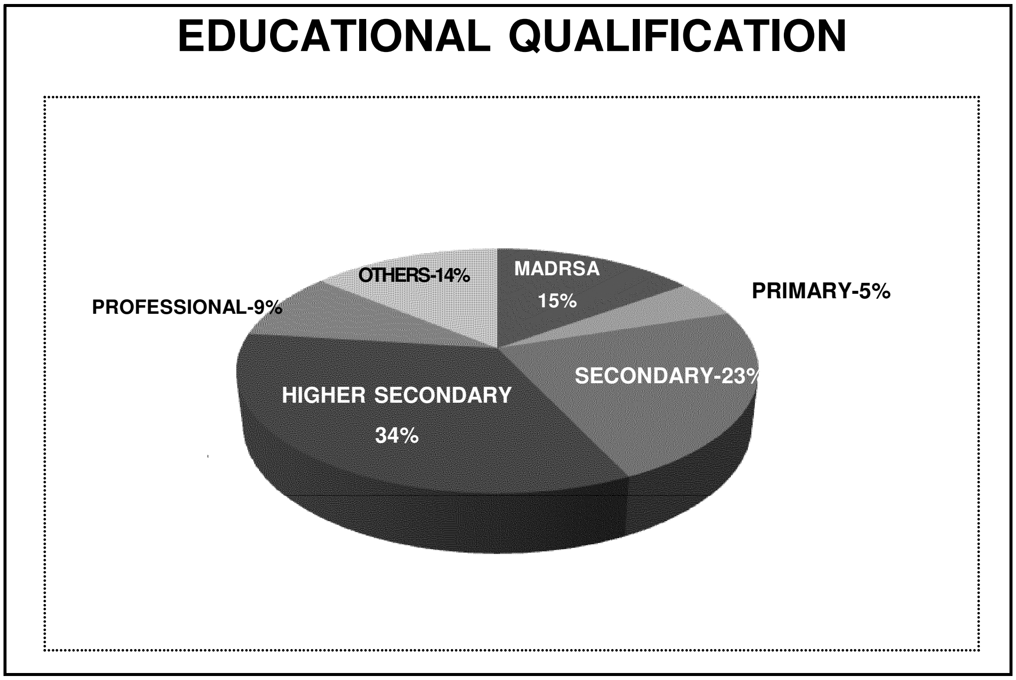

Table 5.1.3

افراد خانہ کی تفصیلات

افراد کی تعداد	تعداد	فیصد
ایک تا تین	4	4.0
تین تا پانچ	39	39.0
پانچ تا سات	55	55.0
سات سے زائد	2	2.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.1.3 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے 4 فیصد جوابدہ ایک تا تین یعنی کی سب سے چھوٹے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں جبکہ تین تا پانچ افراد والے خاندان سے تعلق رکھنے الی خواتین 39 فیصد ہیں اور سب سے زیادہ یعنی کی 55 فیصد خواتین پانچ تا سات افراد والے خاندان اور صرف 2 فیصد خواتین ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں کہ جن میں افراد خانہ کی تعداد سات سے زیادہ ہے۔اس اوسط کو گراف 5.1.3 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph-5.1.3

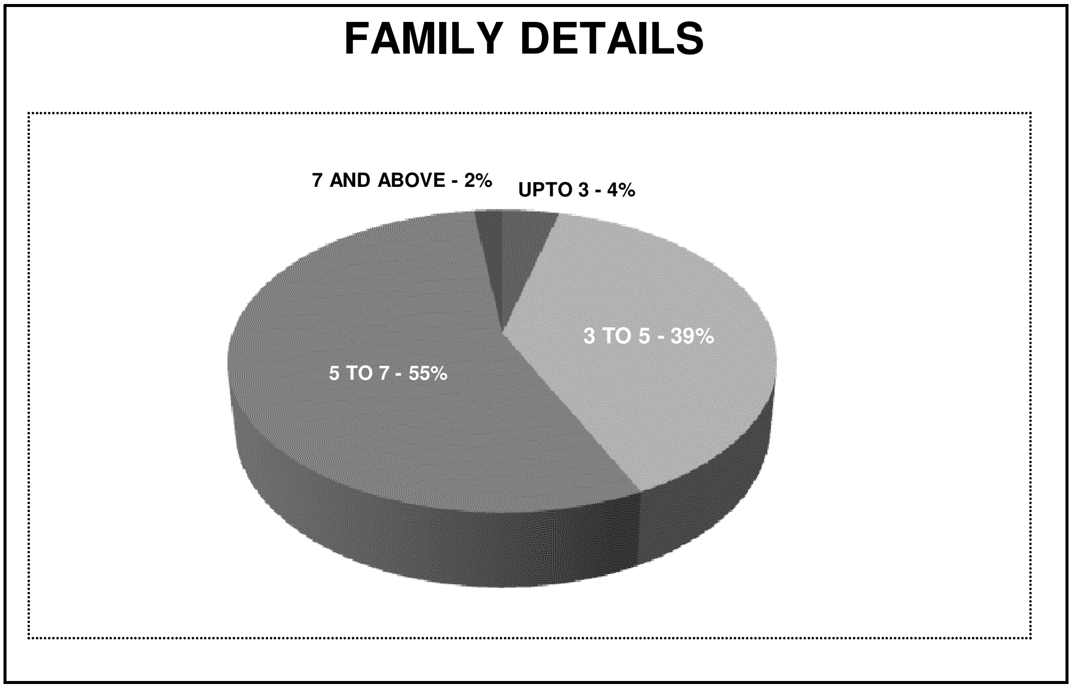

Table 5.1.4

آمدنی

فیصد	تعداد	ماہانہ آمدنی
10.0	10	3 ہزار تک
41.0	41	3 تا 10 ہزار
31.0	31	10 تا 20 ہزار
18.0	18	20 سے اوپر
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.1.4 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 3 ہزار تک کی آمدنی رکھنے والے لوگ صرف 10 فیصد ہیں اور تین ہزار سے 10 ہزار تک کی آمدنی 41 فیصد لوگوں کی ہے اور 31 فیصد لوگوں کی آمدنی 10 سے 20 ہزار کے بیچ میں ہے۔ اور 20 ہزار سے زائد آمدنی رکھنے والوں کی تعداد 18 فیصد ہے۔ اس اوسط کو گراف 5.1.4 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph 5.1.4

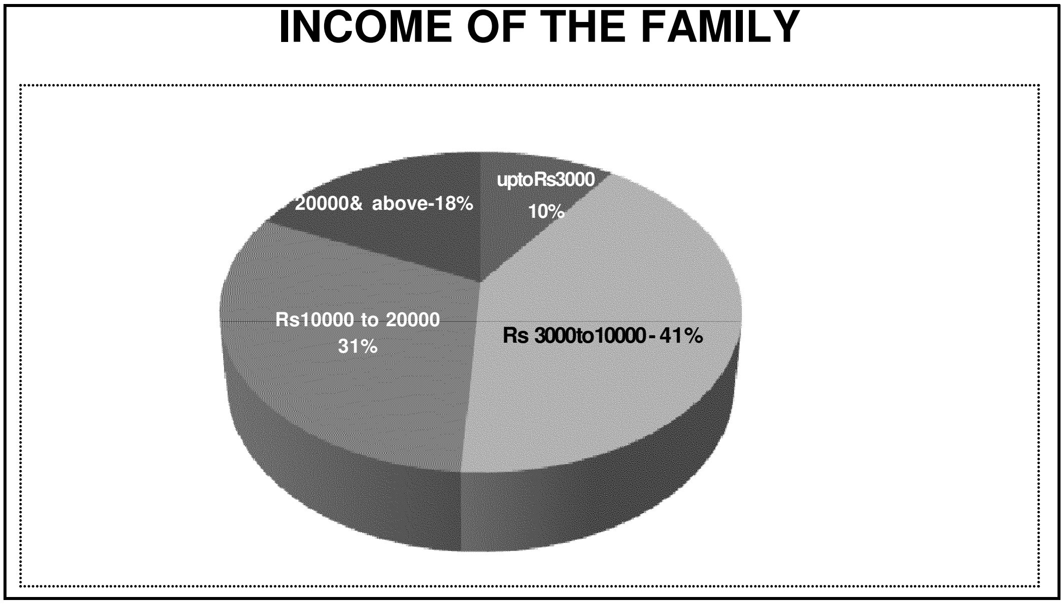

Table 5.1.5

پیشہ

جوابدہ کا پیشہ	تعداد	فیصد
طالبہ	61	61.0
نوکری پیشہ	19	19.0
خاتون خانہ	20	20.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.1.5 سے یہ مفروضہ اخد ہوتا ہے کہ 61 فیصد جوابدہ طالبہ ہیں جبکہ 19 فیصد روزگار سے جڑی ہوئی ہیں ان میں زیادہ تر ٹیچر یا ڈاکٹر ہیں اور 20 فیصد خاتون خانہ ہیں- اس اوسط کو گراف 5.1.5 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے-

Graph-5.1.5

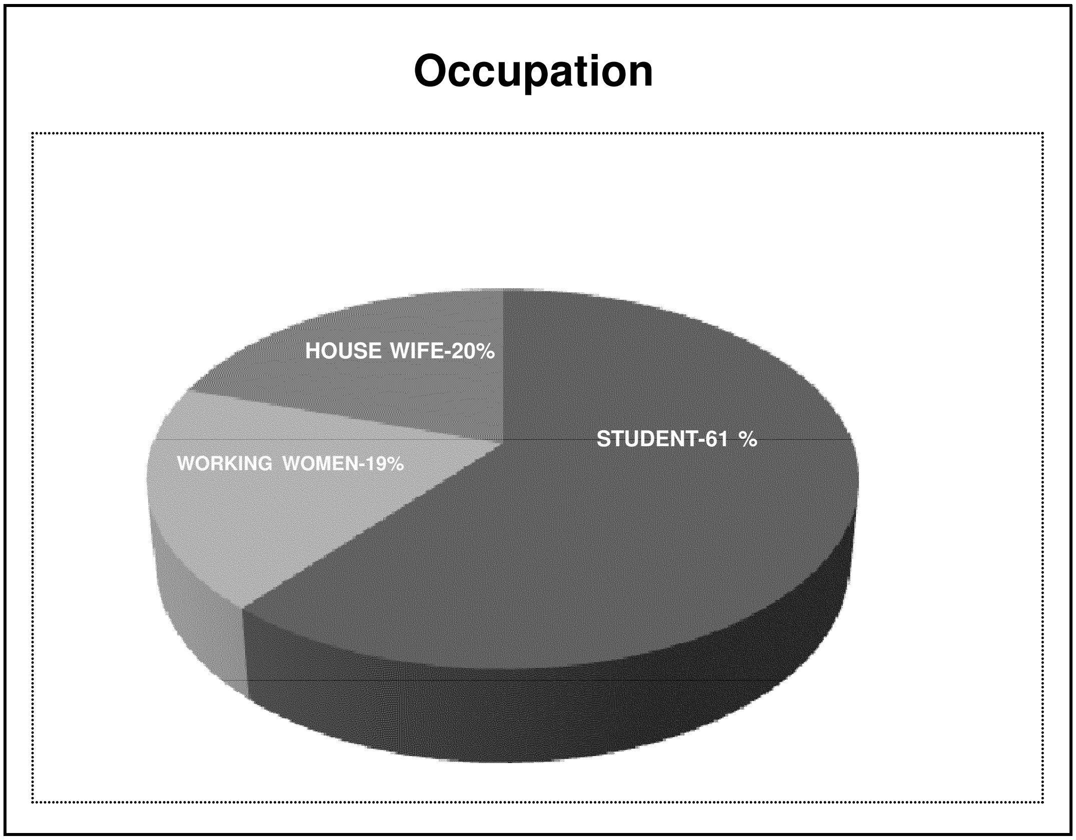

حجاب

Table 5.2.1

حجاب کا اہتمام

فیصد	تعداد	جوابدہ کے ذریعہ حجاب کا اہتمام
100.0	100	اہتمام کرتی ہیں
0.0	0	اہتمام نہیں کرتی ہیں
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.2.1 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ سرائے میر کی 100 فیصد خواتین پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.2.1 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph 5.2.1

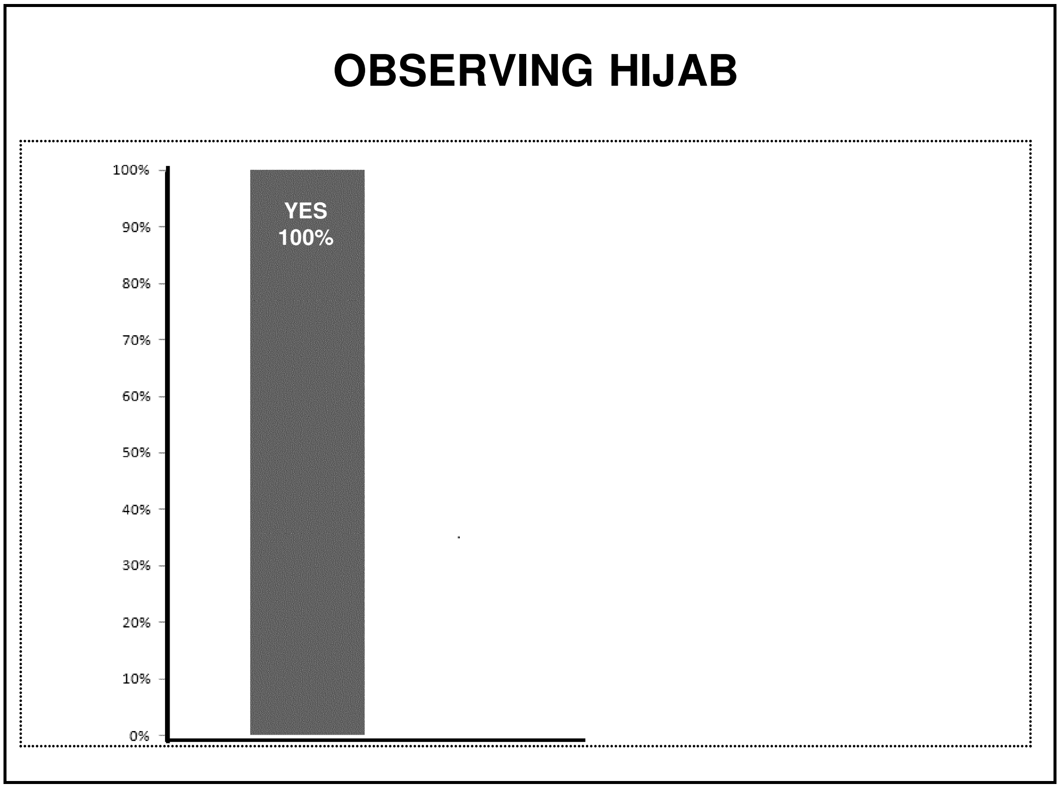

Table 5.2.2

حجاب لگانے کی عمر

فیصد	تعداد	عمر
72.0	72	12 تا14 سال
24.0	24	15 تا17 سال
4.0	4	17 سال کے بعد
100	100	کل

جدول نمبر 5.2.2 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 72 فیصد تعداد ایسی خواتین کی ہے جنہوں نے 12 سے 14 سال کی عمر میں ہی پردے کا اہتمام کرنا شروع کر دیا۔اور 24 فیصد نے 15 سے 17 سال کی عمر میں صرف 4 فیصد خواتین ایسی ہیں کہ جنہوں نے 17 سال کے بعد سے پردے کا اہتمام کیا۔اس اوسط کو گراف 5.2.2 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph 5.2.2

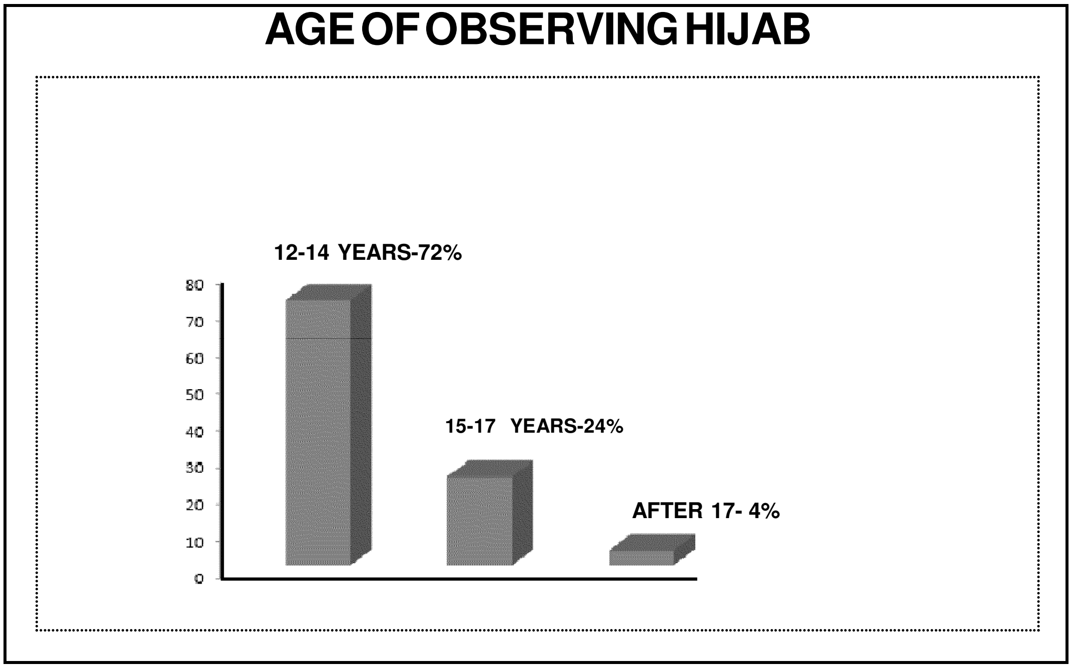

Table 5.2.3

حجاب کیلئے دباؤ

فیصد	تعداد	پردے کا فیصلہ کس کا تھا
85.0	85	والدین
6.0	6	بھائی
0.0	0	شوہر
2.0	2	رشتہ دار
7.0	7	اپنی مرضی
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.2.3 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ جن خواتین پر پردہ کرنے کیلئے سب سے زیادہ دباؤ والدین کی جانب سے ہوا ایسی لڑکیوں کی تعداد 85 فیصد ہے۔ 6 فیصد لڑکیاں اپنے بڑے بھائی کے کہنے پر حجاب لگاتی ہیں اور 2 فیصد تعداد ایسی لڑکیوں کی ہے جن پر اپنے گھر والوں کا نہیں بلکہ سماجی کے لوگوں کا دباؤ ہوتا ہے صرف 7 فیصد لڑکیاں اپنی مرضی سے پردہ کرتی ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.2.3 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

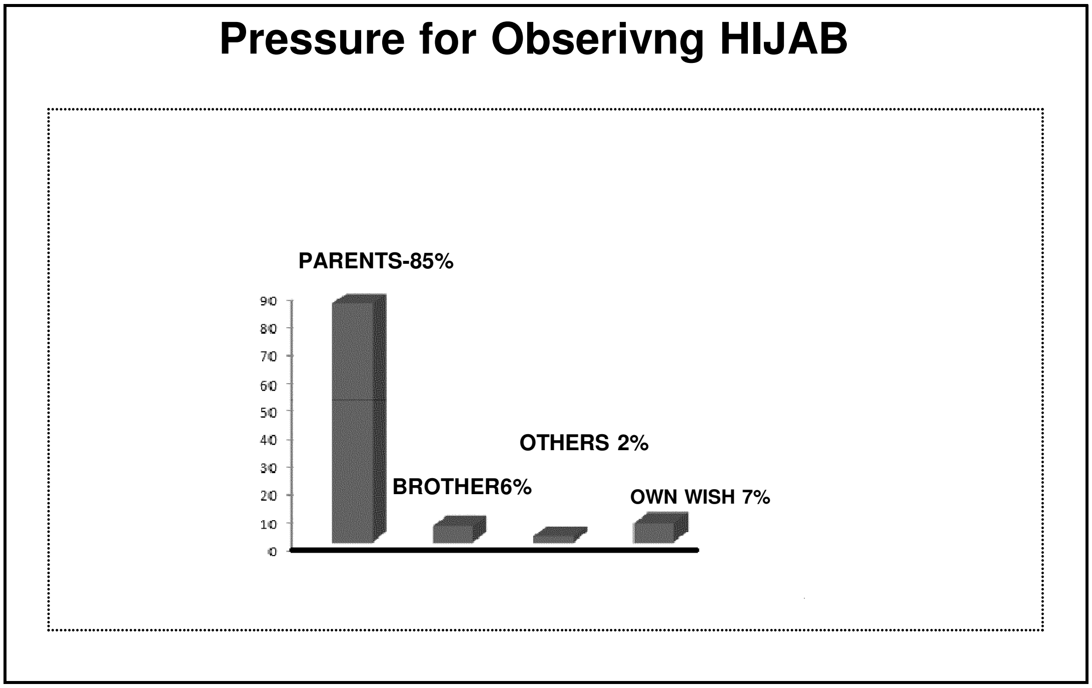

Table :5.2.4

حجاب کے اقسام

فیصد	تعداد	پردے کی قسم
5.0	5	اسکارف
95.0	95	مکمل حجاب
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.2.4 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 95 فیصد تعداد ایسی خواتین کی ہے جو مکمل حجاب کا استعمال کرتی ہیں یعنی جس میں کہ ان کا چہرہ ڈھکا ہوتا ہے اور صرف 5 فیصد خواتین اسکارف اوڑھتی ہیں اور غالباً یہ کم عمر ہی ہونگی۔ اس اوسط کو گراف 5.2.4 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph : 5.2.4

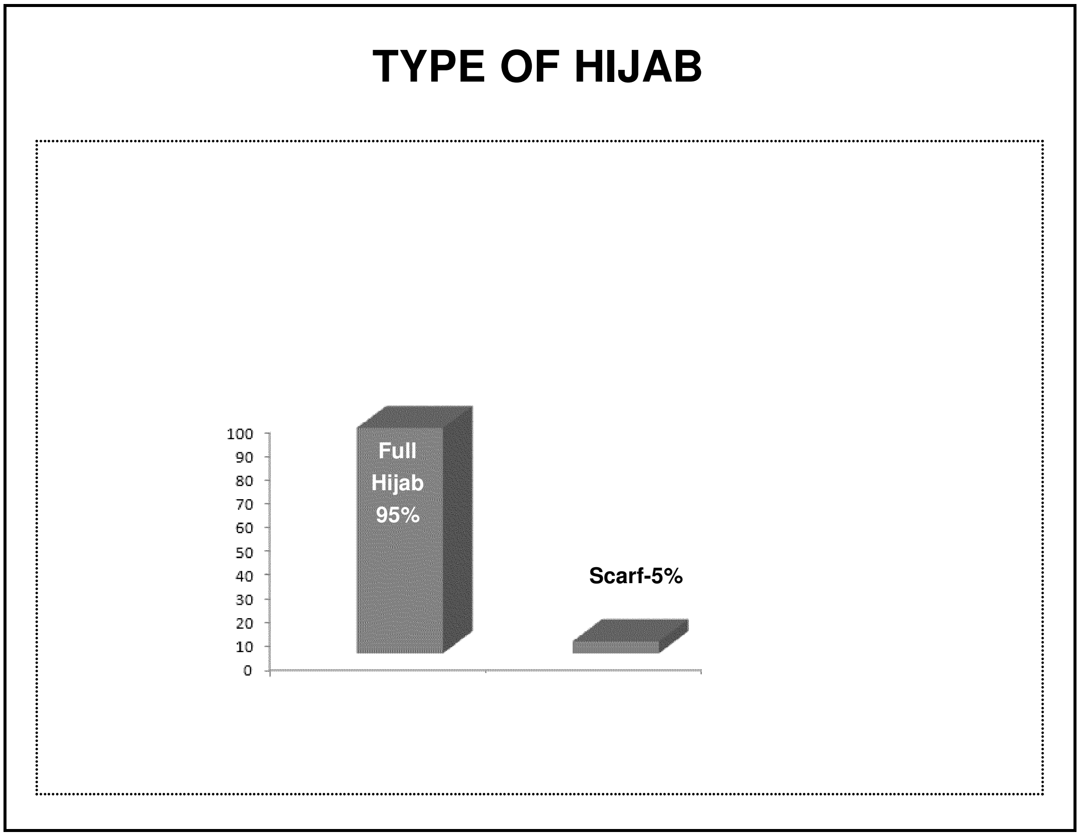

Table 5.2.5

اطراف کی لڑکیوں میں حجاب کا استعمال

فصد	تعداد	آس پاس کی لڑکیوں میں پردے کا اہتمام
100.0	100	پردہ کرتی ہیں
0.0	0	پردہ نہیں کرتی ہیں
100.0	0	کل

جدول نمبر 5.2.5 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ آس پاس کی 100 فیصد دوسری مسلم خواتین بھی پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔اس اوسط کو گراف 5.2.5 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph :5.2.5

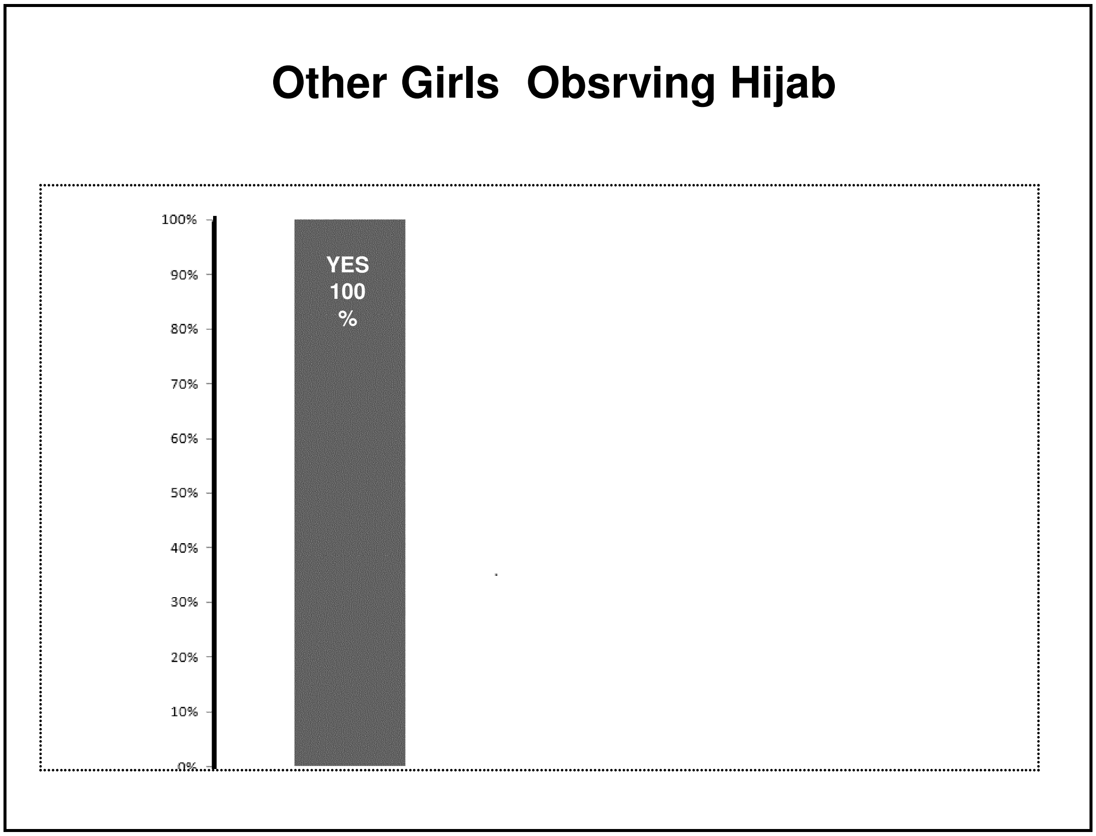

دوستوں میں حجاب کا اہتمام

Table 5.2.6

دوستیں بھی حجاب پہنتی ہیں	تعداد	فیصد
پہنتی ہیں	98	98.0
نہیں پہنتی ہیں	2	2.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.2.6 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 98 فیصد خواتین کی دوستیں بھی حجاب کا استعمال کرتی ہیں اور صرف 2 فیصد اس کا استعمال نہیں کرتیں۔ اس اوسط کو گراف 5.2.6 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.2.6

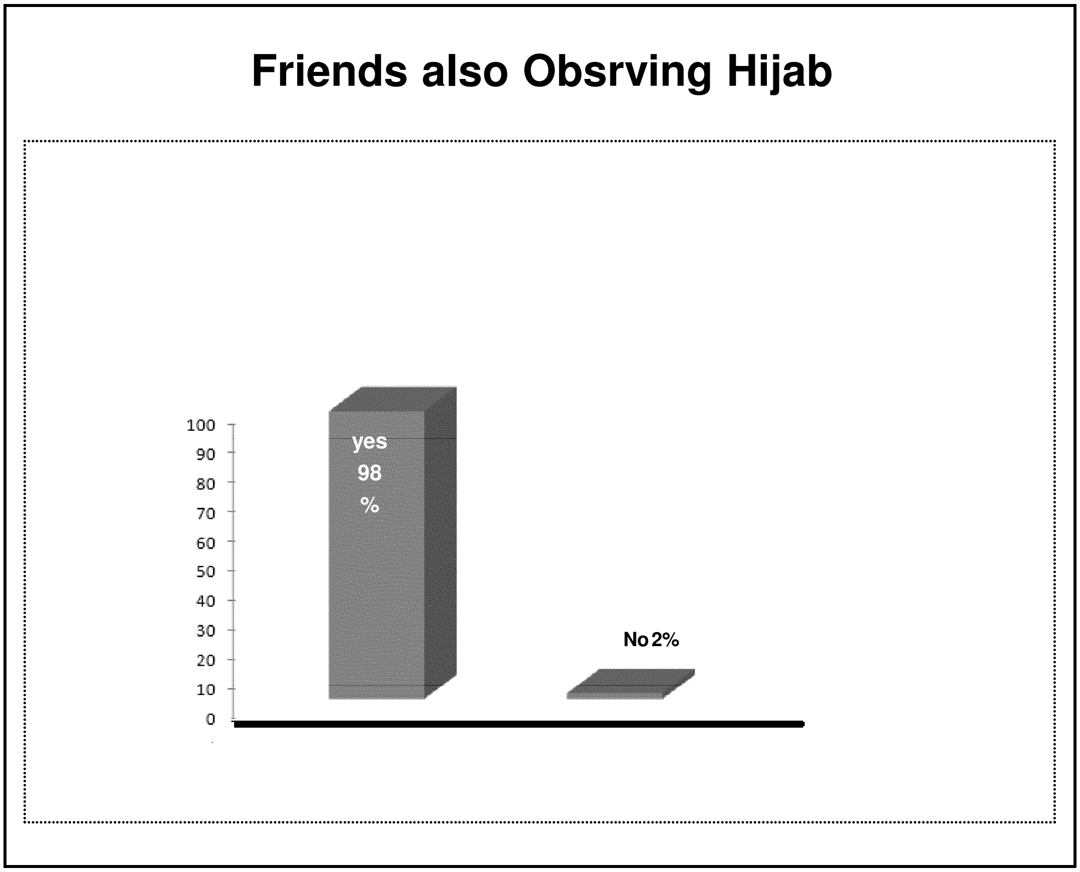

Table 5.2.7

روزمرہ کی زندگی میں حجاب کے اثرات

فیصد	تعداد	حجاب کے اثرات روزمرہ کی زندگی پر
51.0	51	مثبت
3.0	3	منفی
46.0	46	شریعت کی پابندی
100	100	کل

جدول نمبر **5.2.7** سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ **51** فیصد خواتین اس بات سے اتفاق رکھتی ہیں کہ حجاب انکی زندگی میں مثبت اثر ڈالتا ہے اور معاشرے میں ان کو عزت و مرتبہ عطاء کرتا ہے اور صرف **3** فیصد خواتین اپنی زندگی میں حجاب کے کسی بھی اچھے پہلو کو ماننے سے انکار کرتی ہیں۔ ان کے مطابق حجاب ان کی زندگی پر منفی اثر ڈالتا ہے جبکہ **46** فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ شریعت نے انہیں حجاب پہننے کا حکم دیا ہے اور وہ اس کی پابندی کر رہی ہیں۔ حجاب کا انکی زندگی پر مثبت اثر پڑتا ہے یا منفی انہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں۔۔ اس اوسط کو گراف **5.2.7** کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph 5.2.7

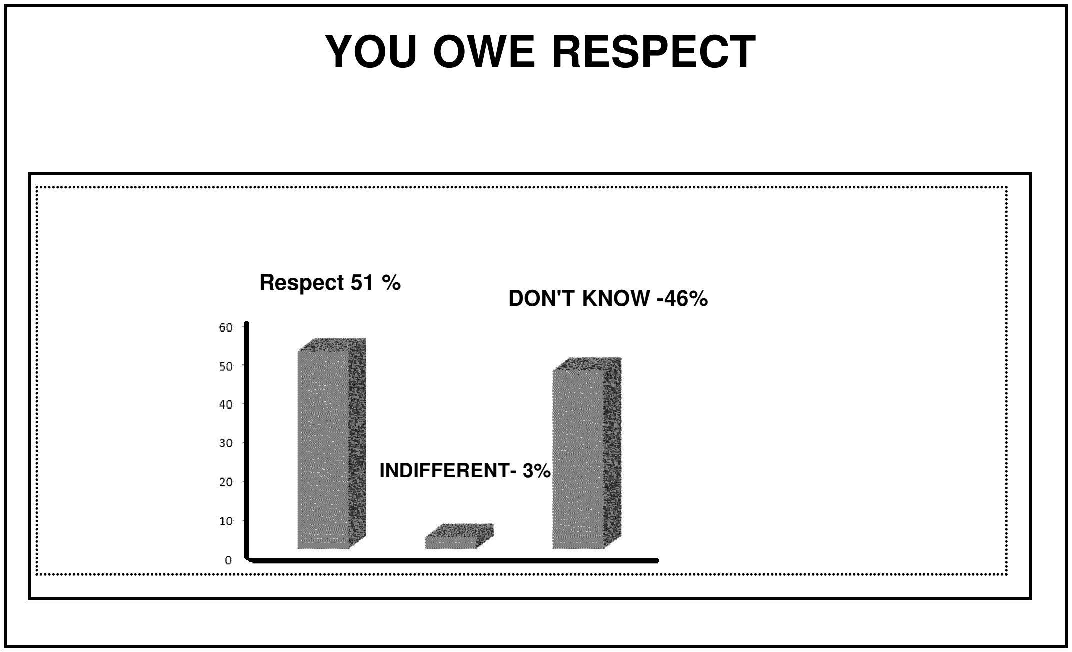

Table 5.2.8

حجاب اور فیشن

فیصد	تعداد	حالیہ سالوں میں حجاب فیشن کے طور پر
62.0	62	فیشن کے طور پر سامنے آیا ہے
38.0	38	نہیں آیا ہے
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.2.8 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 62 فیصد خواتین اس بات سے اتفاق رکھتی ہیں کہ حجاب حالیہ سالوں میں فیشن کے طور پر سامنے آیا ہے اور حجاب کو جدید اور دیدہ زیب شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ 38 فیصد خواتین اس بات کو نہیں مانتی کہ حجاب فیشن کے طور پر سامنے آیا ہے بلکہ یہ اسلامی احکامات کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس اوسط کو گراف 5.2.8 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.2.8

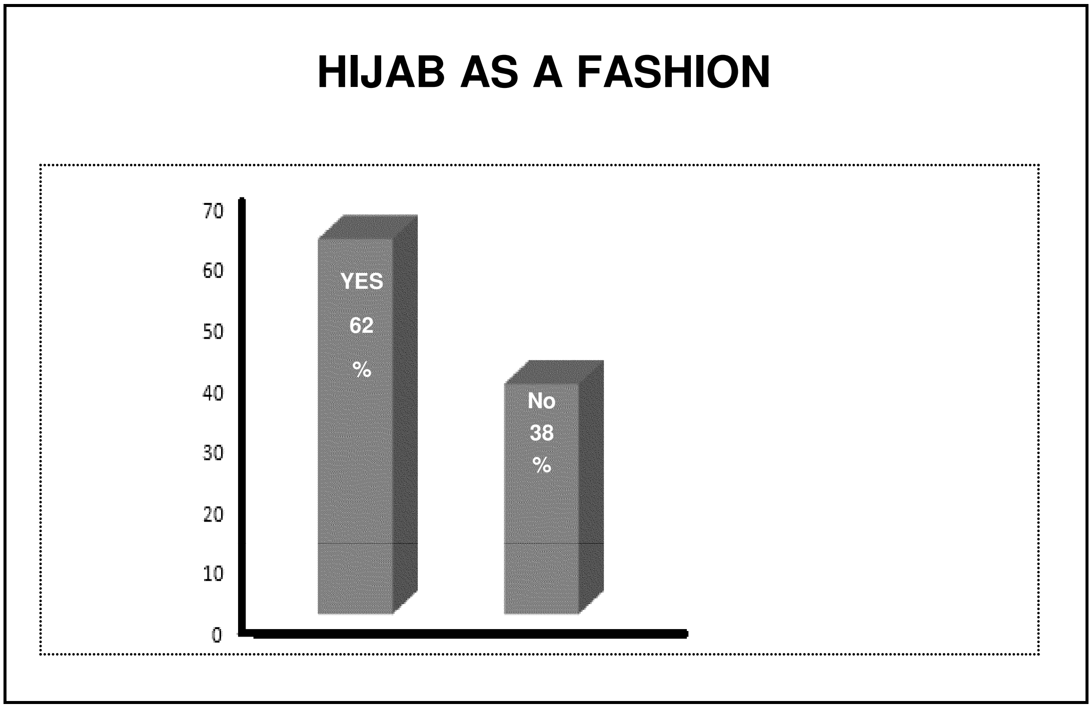

Table 5.2.9

حجاب با اختیار بنا تا ہے

فیصد	تعداد	حجاب میں بااختیار محسوس کرنا
20.0	20	تعلیم کے حصول میں
1.0	1	روزگار کے حصول میں
0.0	0	فیصلہ سازی میں
79.0	79	سبھی میں
100	100	کل

جدول نمبر 5.2.9 سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ 20 فیصد خواتین حجاب پہننے کے بعد تعلیم حاصل کرنے میں اپنے آپ کو با اختیار محسوس کرتی ہیں اور 1 فیصدی روزگار کے سلسلے میں اور ایک بڑی تعداد جو کہ 79 فیصد ہے خواتین کا ماننا ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے سے لیکر روزگار اور فیصلہ سازی میں بھی اپنے آپ کو بااختیار محسوس کرتی ہیں۔اس اوسط کو گراف 5.2.9 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Grapgh: 5.2.9

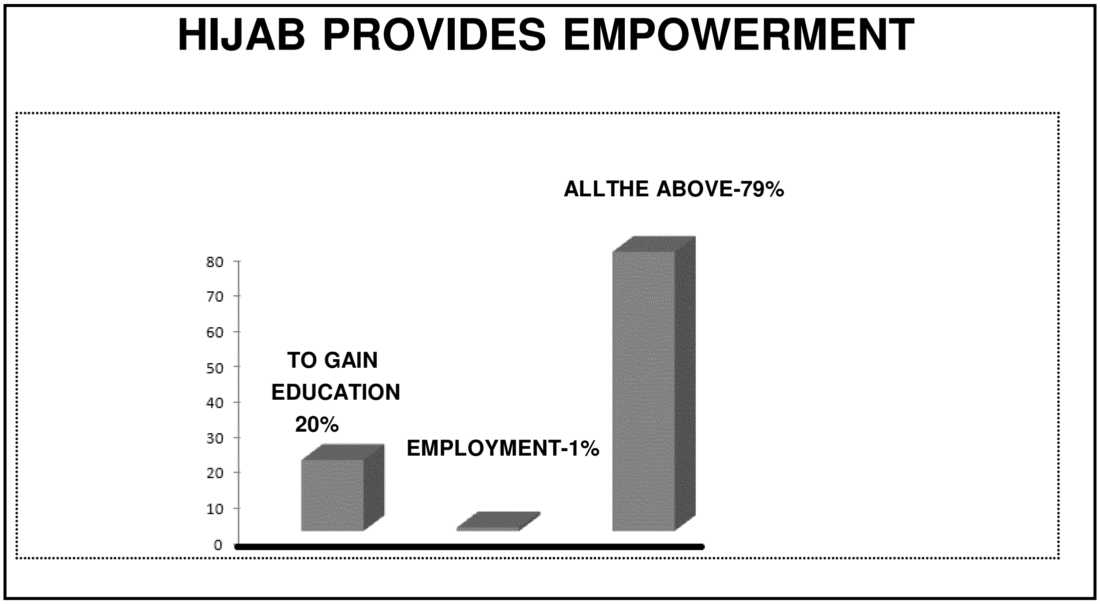

حجاب اور تعلیم

Table 5.3.1

تعلیم پر حجاب کے اثرات

حجاب تعلیم کے حصول میں رکاوٹ	تعداد	فیصد
رکاوٹ ہے	10	10.0
رکاوٹ نہیں ہے	90	90.0
کل	100	100

جدول نمبر 5.3.1 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 90 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ حجاب پہننے سے ان کی تعلیم کے حصول میں کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ 10 فیصد کے مطابق حجاب کہیں نہ کہیں ان کی تعلیم میں رکاوٹ ہے۔اس اوسط کو گراف 5.3.1 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph: 5.3.1

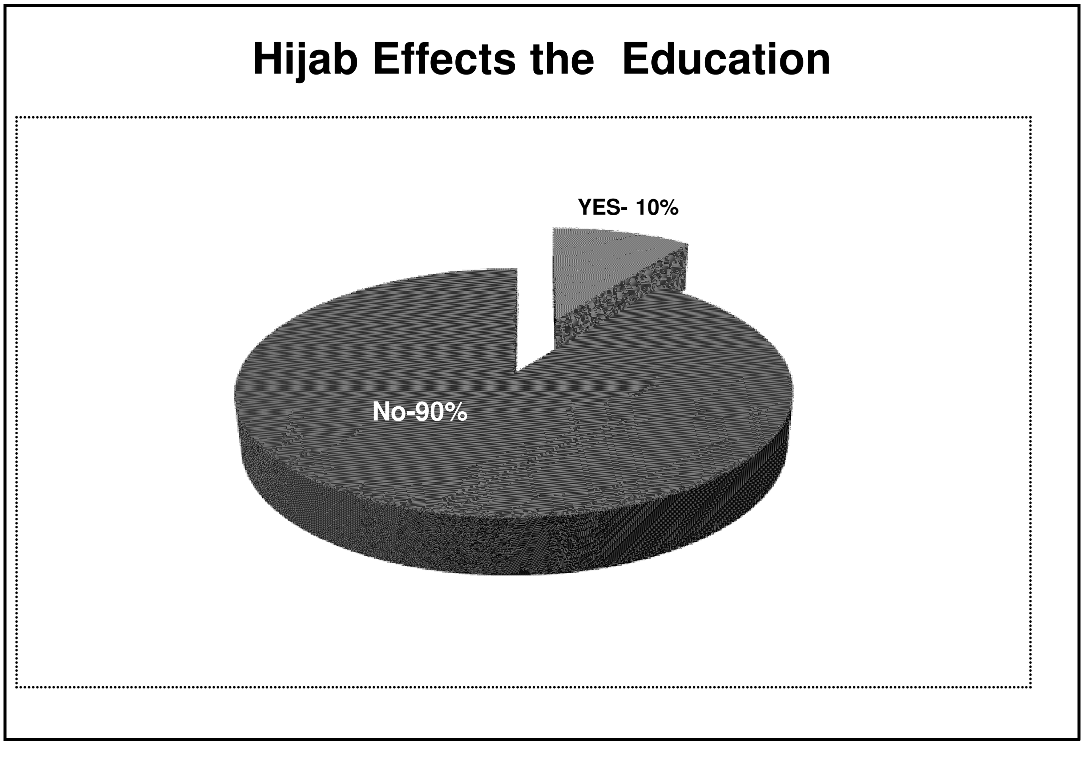

Table 5.3.2

بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت

فیصد	تعداد	بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم کی اجازت
97.0	97	اجازت ہے
3.0	3	نہیں ہے
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.3.2 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 97 فیصد خواتین کا یہ ماننا ہے کہ انکے بھائیوں کو ان کی بہ نسبت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے اور صرف تین فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں ان کو انکے بھائیوں کے برابر کا حق حاصل ہے۔اس اوسط کو گراف 5.3.2 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.3.2

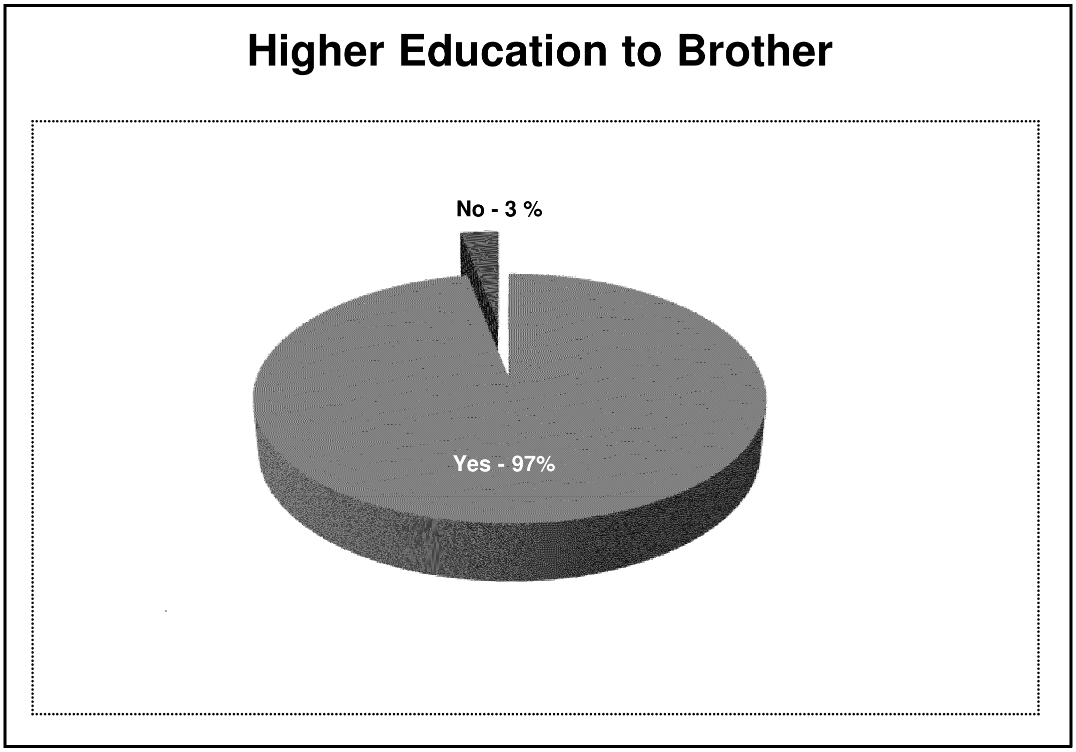

Table 5.3.3

ہاسٹل یا دوسرے شہر جا کر تعلیم حاصل کرنے اجازت

فیصد	تعداد	دوسرے شہر میں رہ کر تعلیم کی اجازت
46.0	46	اجازت ہے
54.0	54	نہیں ہے
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.3.3 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ صرف 46 فیصد خواتین کو اس بات کی اجازت ہے کہ دوسرے شہر جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں لیکن 54 فیصد یعنی کے نصف سے زیادہ خواتین کو اس کی اجازت نہیں ہے۔ انہیں تو بس مقامی سطح پر جو تعلیمی سہولیات مہیا ہیں ان پر ہی اکتفا کرنا ہے۔ اس اوسط کو گراف 5.3.3 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.3.3

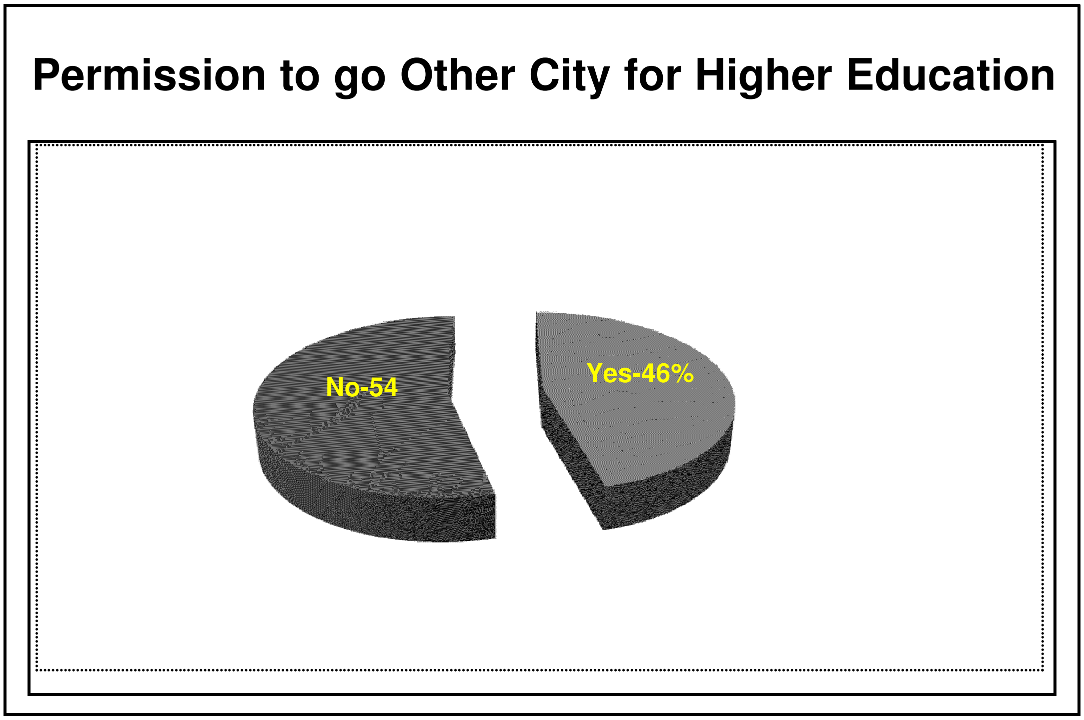

Table 5.3.4

کس قسم کے تعلیمی ادارے کو ترجیح

تعلیمی ادارے کے اقسام	تعداد	فیصد
مخلوط تعلیمی ادارہ	6	6.0
غیر مخلوط تعلیمی ادارہ	11	11.0
اسلامی ادارہ	39	39.0
کسی میں بھی نہیں	44	44.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.3.4 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ صرف 6 فیصد لڑکیوں کیلئے ایسی کوئی پابندی نہیں ہے وہ اپنی پسند اور خواہش کے مطابق کہیں بھی اور کسی بھی قسم کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کر سکتیں ہیں' اور 11 فیصد لڑکیوں کو ایسی جگہ جانے کی اجازت ہے جہاں لڑکیوں کا تعلیمی نظام الگ ہو جبکہ' 39 فیصد تعداد ایسی لڑکیوں کی ہے جنہیں صرف اسلامی درسگاہوں میں ہی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ زیادہ تر یعنی کہ 44 فیصد تعداد ایسی لڑکیوں کی ہے جن کو کہ اپنے قصبہ سے باہر کسی بھی طرح کے اسکول یا کالج میں جانے اجازت نہیں ہے۔ اس اوسط کو گراف 5.3.4 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Grapg :5.3.4

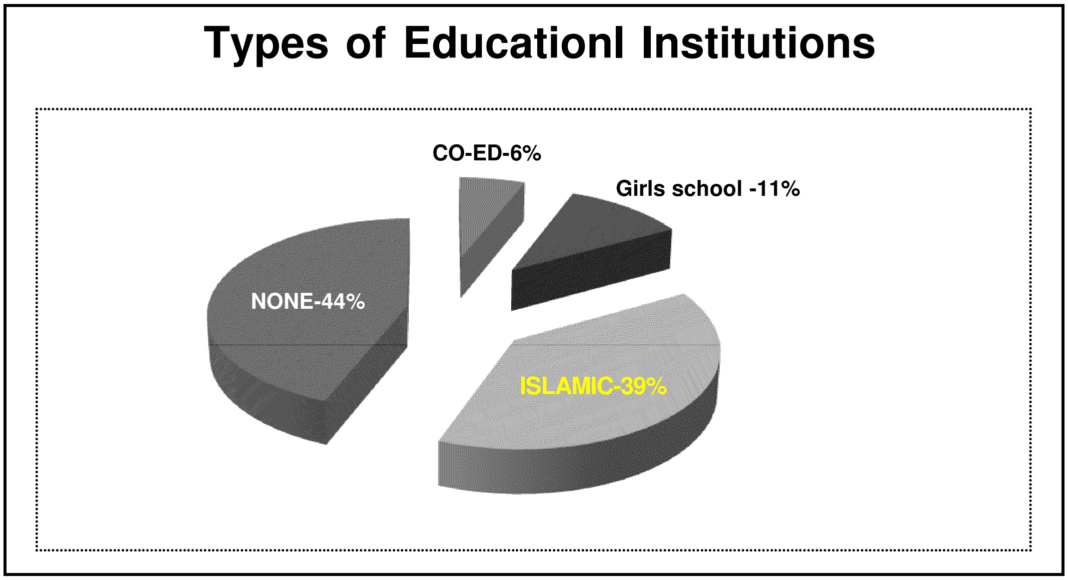

Table 5.3.5

مقامی سطح پر اعلی تعلیم کی اجازت

فیصد	تعداد	مقامی سطح پر اعلی تعلیم کی اجازت
96.0	96	اجازت ہے
4.0	4	نہیں ہے
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.3.5 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر سرائے میر میں ہی لڑکیوں کیلئے کوئی اعلی تعلیمی ادارہ قائم ہوتا ہے تو 96 فیصد لڑکیوں کو اس میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے اور صرف 4 فیصد لڑکیوں نے اس سے انکار کیا ہے ۔اس اوسط کو گراف 5.3.5 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.3.5

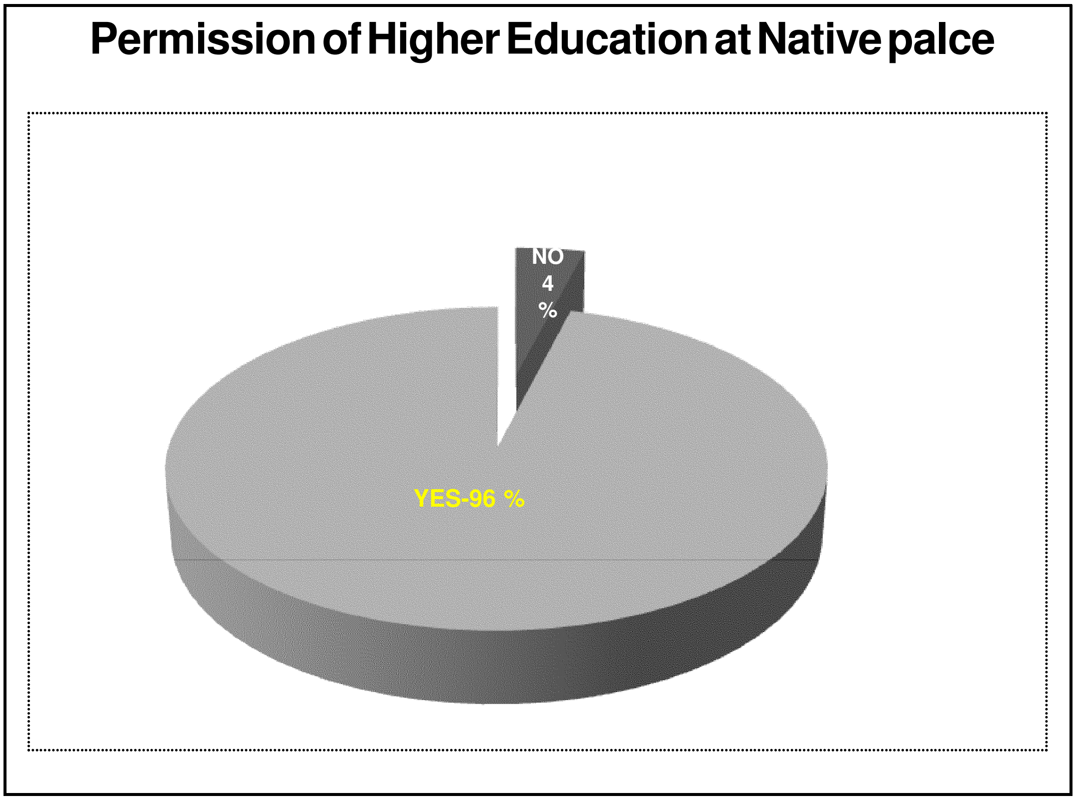

Table 5.3.6

حجاب کے بغیر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں سہولت

حجاب کے بغیر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں سہولت	تعداد	فیصد
سہولت ہے	13	13.0
سہولت نہیں ہے	87	87.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.3.6 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ صرف 13 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ اگر ان پر سے پردے کی پابندی ہٹا دی جائے تو وہ زیادہ بہتر طریقے سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں جبکہ 87 فیصد اس سے اتفاق نہیں رکھتیں۔ اس اوسط کو گراف 5.3.6 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.3.6

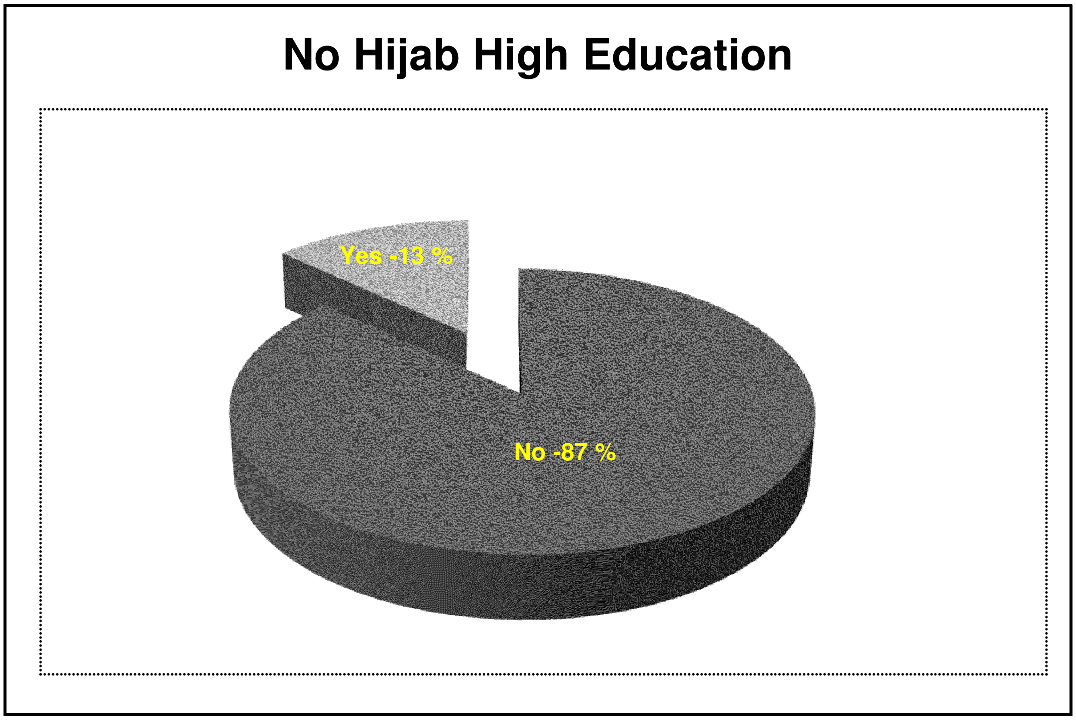

Table 5.3.7

شریعت کے دائرے میں اعلیٰ تعلیم ۔معاشرہ کی اس سے واقفیت؟

فیصد	تعداد	معاشرہ سمجھ رکھتا ہے؟
92.0	92	سمجھ رکھتا ہے
8.0	8	سمجھ نہیں رکھتا ہے
100.0	0	کل

جدول نمبر 5.3.7 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 92 فیصد خواتین اس بات سے اتفاق رکھتی ہیں کہ ان کا معاشرہ اس بات کی سمجھ رکھتا ہے کہ اسلام نے باحجاب رہتے ہوئے عورت کو تعلیم حاصل کرنے کے حقوق دیئے ہیں جبکہ 8 فیصد کا ماننا ہے کہ ہمارا معاشرہ اس بات کی سمجھ ہی نہیں رکھتا اور شاید اسلئے اس کی اجازت بھی نہیں دیتا۔اس اوسط کو گراف 5.3.7 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph No 5.3.7

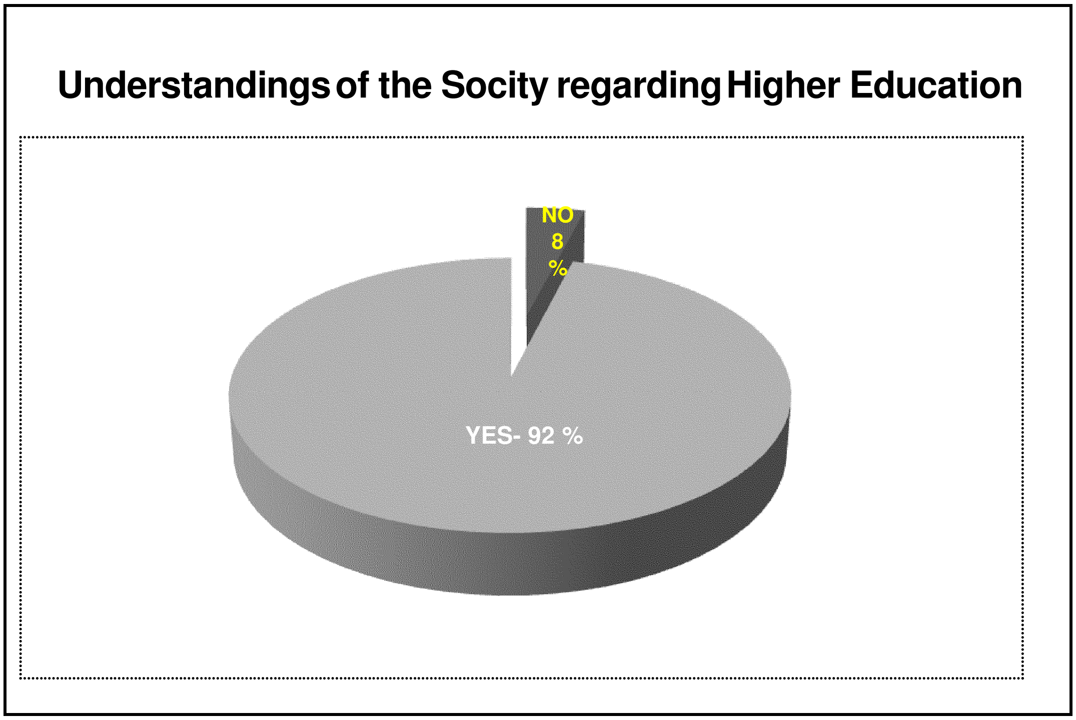

Table 5.3.8

غیر مسلم لڑکیوں کی تعلیمی میدان میں بہتر نمائندگی؟

غیر مسلم لڑکیاں تعلیمی میدان میں آگے	تعداد	فیصد
غیر مسلم	75	75.0
مسلم	11	11.0
دونوں	14	14.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.3.8 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے 75 فیصد لڑکیوں کا ماننا ہے کہ غیر مسلم لڑکیاں تعلیم کے میدان میں ان سے زیادہ آگے ہیں جبکہ 11 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ مسلم لڑکیاں تعلیمی میدان میں زیادہ آگے ہیں' اور 14 فیصد کے مطابق دونوں برابر ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.3.8 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.3.8

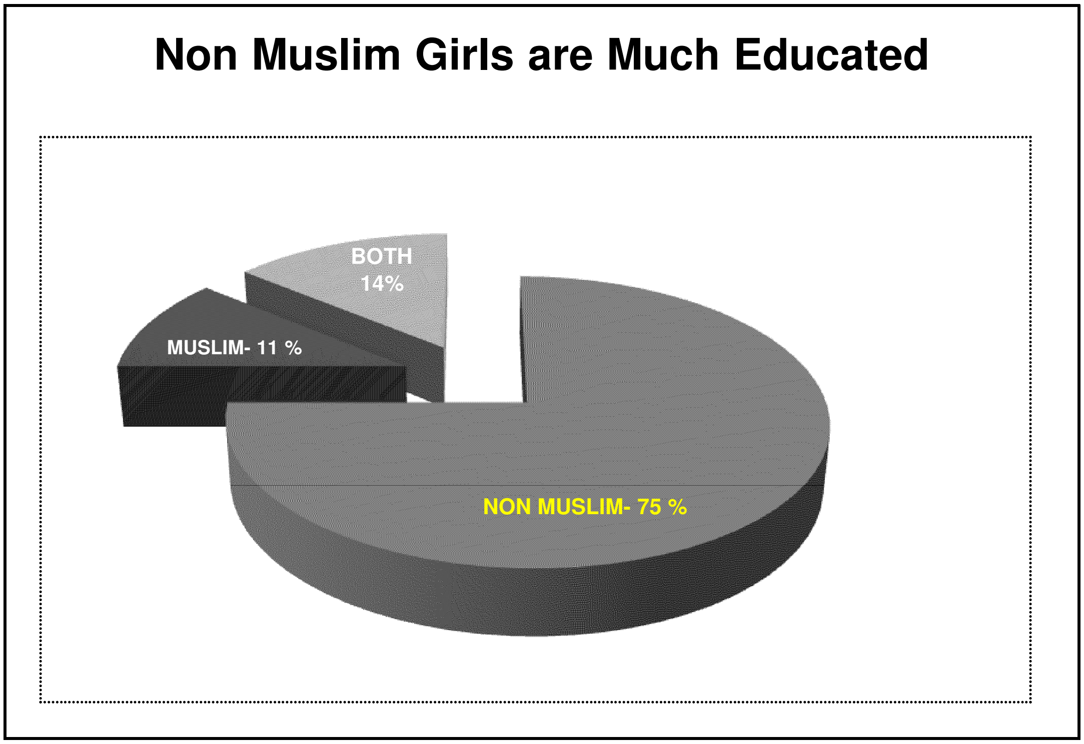

حجاب اور روزگار

Table 5.4.1

اسلام نے حدود میں رہتے ہوئے عورتوں کو روزگار کے حقوق دیئے ہیں- معاشرہ کی واقفیت

فیصد	تعداد	معاشرہ کی واقفیت
77.0	77	واقفیت ہے
23.0	23	واقفیت نہیں ہے
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.4.1 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 77 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ ان کا معاشرہ اس بات کی سمجھ رکھتا ہے کہ اسلام نے روزگار کے سلسلہ میں عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں جبکہ 23 فیصد کے مطابق ان کا معاشرہ اس بات کی سمجھ نہیں رکھتا۔اس اوسط کو گراف 5.4.1 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph : 5.4.1

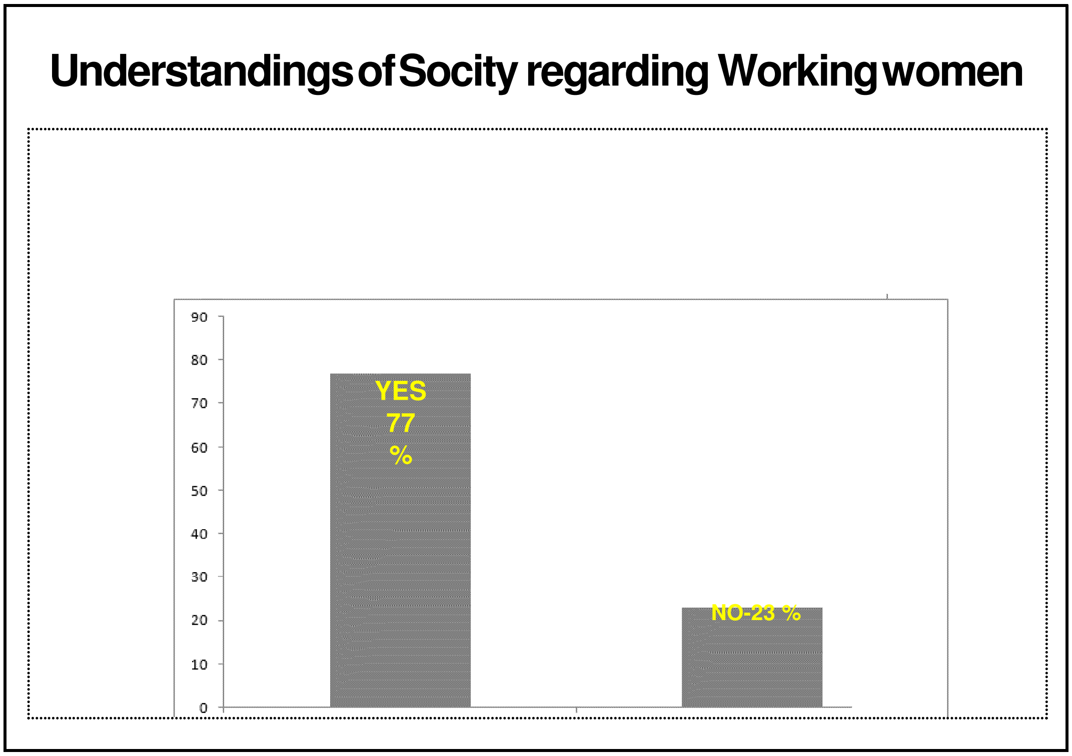

Table 5.4.2

حجاب کے بغیر زیادہ بہتر طریقہ سے ذمہ داریوں کی ادائیگی

حجاب کے بغیر ذمہ داریوں کی ادائیگی	تعداد	فیصد
ادائیگی کر سکتیں ہیں	16	16.0
ادائیگی نہیں کر سکتیں	84	84.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.4.2 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ صرف 16 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ اگر وہ حجاب نہ پہنیں تو زیادہ بہتر طریقہ سے اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکتی ہیں لیکن ایک بڑی تعداد میں خواتین اس بات سے اتفاق نہیں رکھتیں 84 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ حجاب پہن کر ہی وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی انجام دے سکتیں ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.4.2 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.4.2

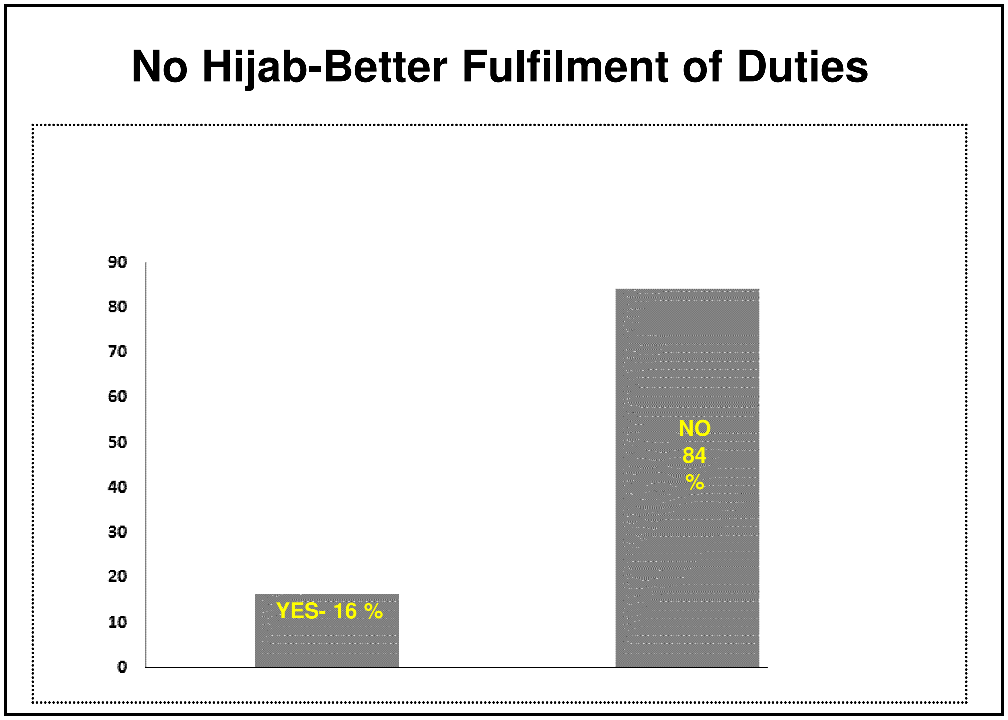

Table 5.4.3

مسلم خواتین مالی طور پر مستحکم ہیں یا غیر مسلم

فیصد	تعداد	مسلم خواتین مالی طور پر مستحکم ہیں یا غیر مسلم
32.0	32	مسلم
26.0	26	غیر مسلم
42.0	42	دونوں
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.4.3 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 32 فیصد مسلم خواتین مالی اعتبار سے زیادہ مستحکم ہیں اور 26 فیصد یہ کہتی ہیں کہ غیر مسلم خواتین، جبکہ 42 فیصد کا ماننا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کی مالی حالت یکساں ہے۔ اس اوسط کو گراف 5.4.3 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے ۔

Graph:5.4.3

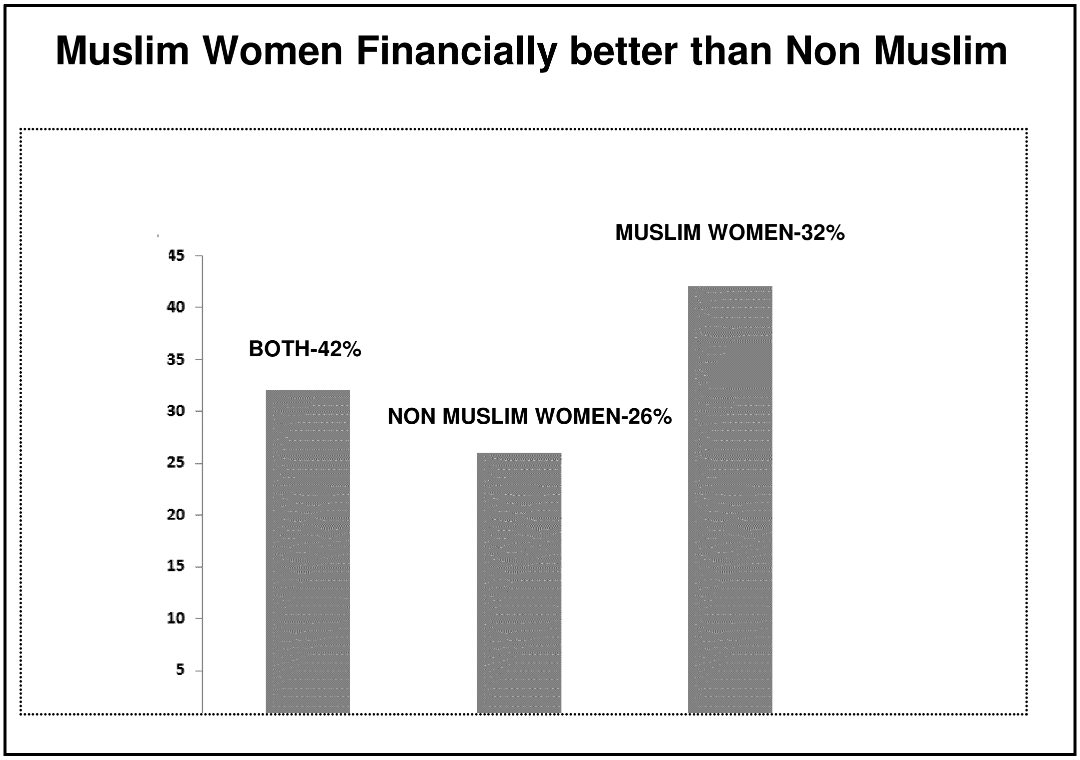

Table 5.4.4

بیرونی ممالک اورجنوبی ہندوستان میں خواتین حجاب میں رہ کر مختلف شعبہ میں کام کررہی ہیں

۔آپ کواجازت ہے؟

حجاب میں رہتے ہوئے مختلف شعبہ میں کام کی اجازت	تعداد	فیصد
اجازت ہے	30	30.0
نہیں ہے	70	70.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.4.4 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 30 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ ان کو بھی جنوبی ہندوستان اور بیرونی ممالک کے جیسے مختلف شعبوں میں کام کرنے کی اجازت ہے جبکہ 70 فیصد اس بات سے انکار کرتی ہیں۔۔اس اوسط کو گراف 5.4.4 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph :5.4.4

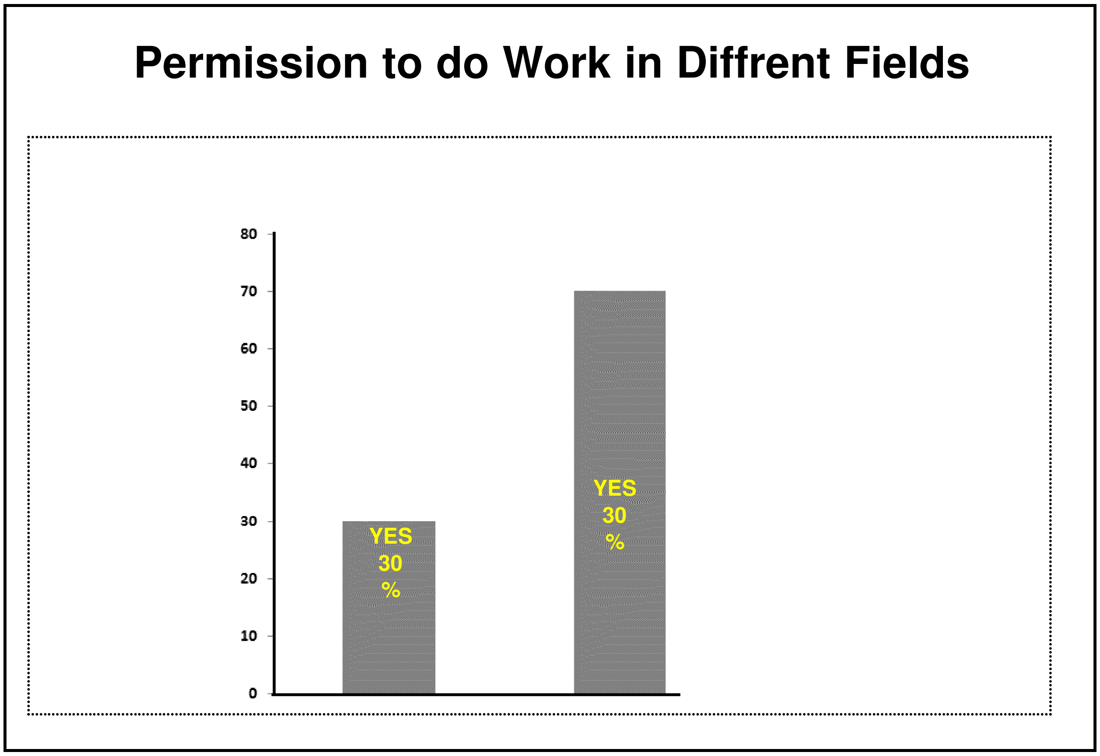

Table 5.4.5

معاشرہ کی نظر میں خواتین کیلئے عزت دار پیشہ

فیصد	تعداد	عزت دار پیشہ
12.0	12	ڈاکٹر
28.0	28	ٹیچر
49.0	49	خاتون خانہ
11.0	11	کوئی بھی پیشہ
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.4.5 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ یہاں کے معاشرہ میں 12 فیصدی لوگ ڈاکٹر 28 فیصد ٹیچر 49 فیصد خاتون خانہ اور صرف 11 فیصد لوگ ایسے ہیں جو کہ کسی بھی کام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.4.5 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.4.5

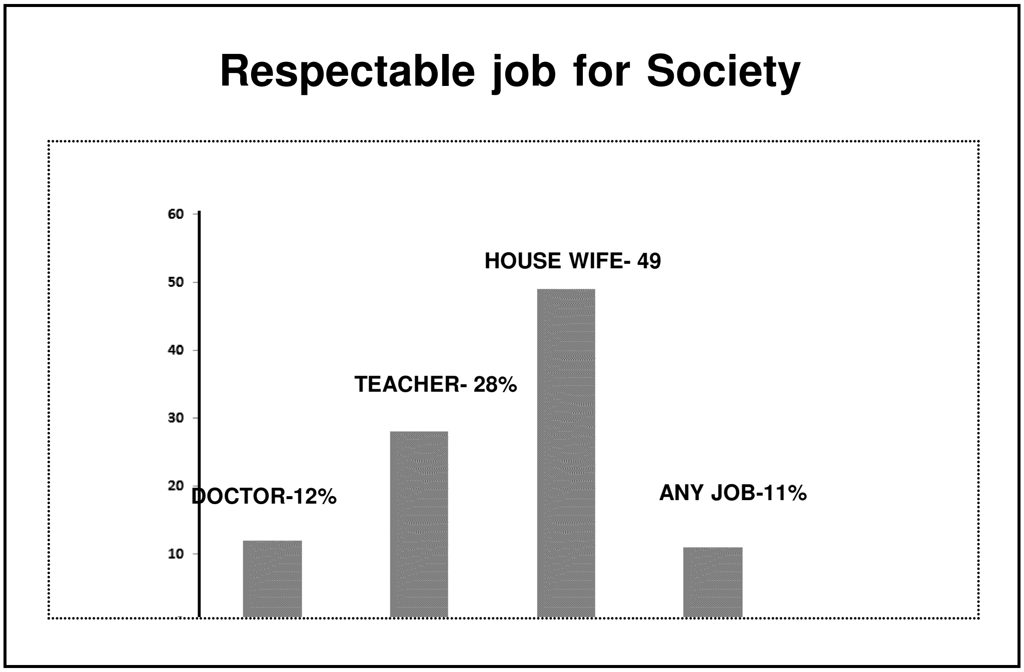

Table 5.4.6

جوابدہ کا پسندیدہ پیشہ

فیصد	تعداد	پسندیدہ پیشہ
29.0	29	ڈاکٹر
55.0	55	ٹیچر
10.0	10	خاتون خانہ
6.0	6	دیگر (ٹیکنیکل وغیرہ)
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.4.6 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 29 فیصد خواتین ڈاکٹر کے پیشے کو پسند کرتی ہیں جبکہ ایک بڑی تعداد میں یعنی کہ 55 فیصد جوابدہ کا پسندیدہ پیشہ ٹیچر ہے' اس کے بعد صرف 10 فیصد خواتین ہی خاتون خانہ کی ذمہ داری نبھانا پسند کرتی ہیں۔ اور 6 فیصد ٹیکنیکل پیشے سے وابستہ ہونا چاہتی ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.4.6 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.4.6

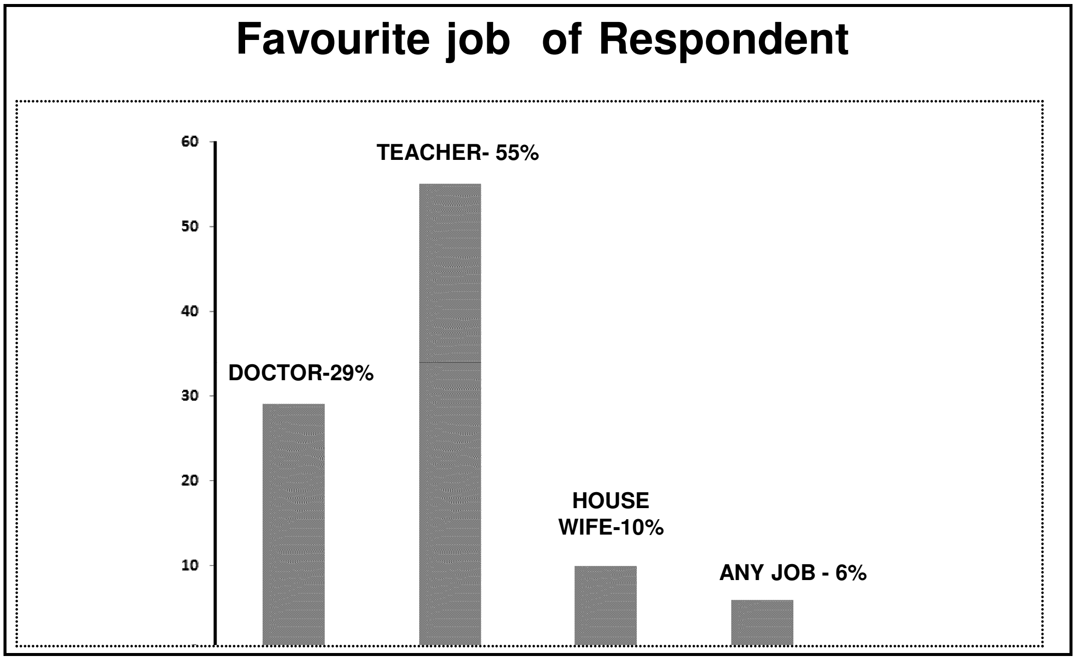

Table 5.4.7

حجاب کا دباؤ نہ ہوتو بھی پہننا پسند

فیصد	تعداد	حجاب کا دباؤ نہ ہوتو بھی پہننا پسند
94.0	94	پسند
06.0	06	ناپسند
100.0	100	کل

جدول نمبر 5.4.7 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 94 فیصد خواتین اگران پر دباؤ نہ بھی ہوتو وہ حجاب پہننا پسند کرینگی اور 6 فیصد اس بات کو نہیں مانتی حجاب کے تعلق سے ان کا نظریہ منفی ہے۔ اس اوسط کو گراف 5.4.7 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph:5.4.7

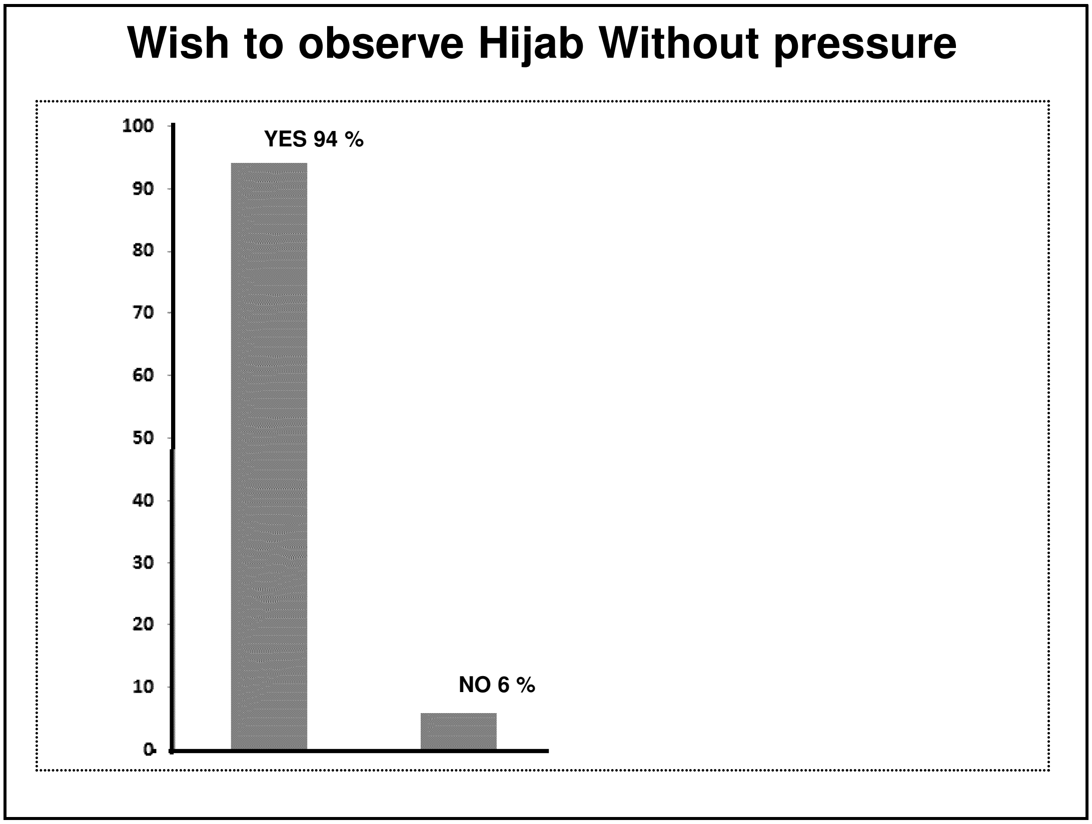

Table 5.4.8

تعلیم اور روزگار پر حجاب کے اثرات

تعلیم اور روزگار پر حجاب کے اثرات	تعداد	فیصد
مثبت	45	45.0
منفی	11	11.0
شریعت کی پابندی	44	44.0
کل	100	100.0

جدول نمبر 5.4.8 سے یہ مفروضہ اخذ ہوتا ہے کہ 45 فیصد خواتین کے مطابق حجاب تعلیم اور روزگار کے سلسلہ میں ان کی زندگی میں مثبت کردار ادا کرتا ہے جبکہ 11 فیصد خواتین کے ماننا ہے کہ حجاب تعلیم اور روزگار کے سلسلہ میں منفی اثر ڈالتا ہے اور 44 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ ان کو نہیں معلوم کی حجاب تعلیم اور روزگار کے سلسلہ میں مثبت اثر ڈالتا ہے یا منفی۔ حجاب تو ان کیلئے شریعت سے بیحد ضروری ہے اس لئے وہ اس کا استعمال کرتی ہیں۔ اس اوسط کو گراف 5.4.8 کے ذریعہ پیش کیا گیا ہے۔

Graph :5.4.8

Influence of Hijab on Education and Employment

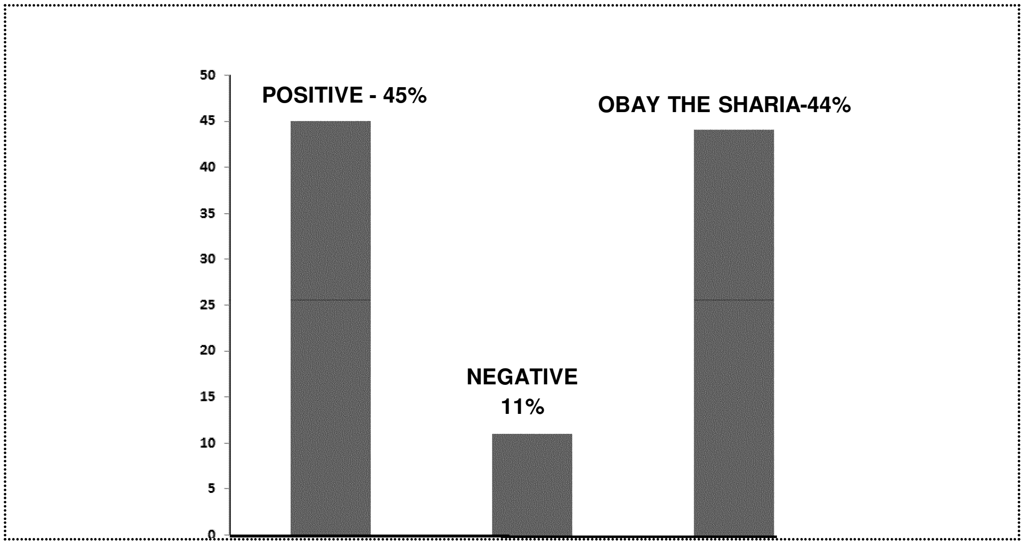

باب ششم

مطالعہ احوال

(Case Study)

مطالعہ احوال (CASE STUDY)

مطالعہ احوال انفرادی صلاحیتوں کو جانچنے اور رہنمائی کی تکنیک میں نفسیاتی طور پر سب سے اہم مقام رکھتا ہے۔ مطالعہ احوال کے اپنے کچھ اصول ہیں اور انہیں کی بنیاد پر ایک تحقیق کار اس طریقہ کار کا استعمال اپنی تحقیق میں کرتا ہے، مثلاً مطالعہ احوال کے لئے ضروری ہے کہ یہ تعصب سے پاک ہو اور توجہ کا مرکز صرف انہیں چیزوں کو نہ بنایا جائے جن کا پہلے سے ہی ارادہ ہو، مطالعہ احوال میں اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کی صرف اور صرف حقائق کی مکمل طور پر تلاش کی جاسکے۔ اس میں مضمون کے ہر پہلو کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جاتا ہے

پی وی ینگ کے مطابق ''ایک سماجی اکائی کا جامع (Comprehensive)'' مطالعہ خواہ وہ کسی ایک شخص سے متعلق ہو، ایک جماعت سے، ایک سماجی ادارے سے، یا کسی ضلع یا طبقہ کا مطالعہ ہو اسے مطالعہ احوال (Case Study) کہا جاتا ہے۔ مطالعہ احوال کا استعمال زندگی کے مختلف شعبوں میں کیا جاتا ہے مثلاً تعلیم، روزگار، اور سماجی اخراجیت سے جڑے ہوئے مسائل وغیرہ وغیرہ

مطالعہ احوال میں عموماً ان لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے جو سماج کے عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں یعنی کہ جس شخص کو مطالعہ احوال میں شامل کیا جاتا ہے ان کی زندگی میں کچھ خاص پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں جو انکو دیگر لوگوں سے الگ کرتے ہیں۔ درج ذیل مطالعہ احوال میں جن مسلم خواتین کو شامل کیا گیا ہے ان میں طالبہ بھی ہیں اور روزگار سے جڑی ہوئی خواتین بھی۔ ان سے ان کی نجی زندگی کے بارے میں، تعلیم اور روزگار کے حوالہ سے ان کو سماج میں کیا مسائل پیش آرہے ہیں اور ان کی کامیابی وناکامی کے بارے میں جانکاری حاصل کی گئی جو کچھ اس طرح ہیں۔۔۔

Case - I

نغمہ حنفی، سرائے میر کے ایک اسکول ''سرسید گرلس اسکول'' کی پرنسپل ہیں۔نغمہ حنفی کے 8 بچے ہیں، جن میں تین لڑکیاں اور 5 لڑکے ہیں۔دونوں بڑی لڑکیوں نے اعظم گڑھ شبلی کالج سے بی اے اور ایم اے کر کے تعلیم ترک کر دی جبکہ لڑکے اعلی تعلیم کیلئے دیگر شہروں جیسے دہلی، الہ آباد، کانپور میں ہیں۔

ان کی تعلیم وتربیت الہ آباد میں ہوئی۔ان کے پردادا کلکٹر تھے اور والد انجینئر ہیں جو کہ الہ آباد میں مقیم ہیں۔نغمہ حنفی کا بچپن سے ہی ارداہ تھا کہ وہ ڈاکٹر بنیں لیکن 9 ویں جماعت کے بعد ہی ان کے اس ارادے میں کچھ بدلاؤ آیا (مالی مشکلات) اور انہوں نے گھر والوں پر زور ڈالنا اچھا نہیں سمجھا۔12 ویں جماعت کے بعد ہی ان کی شادی ہوگئی لیکن شادی کے بعد بھی انہوں نے تعلیم جاری رکھی اور انہوں نے ایم اے (جغرافیہ) وحیدیہ کالج الہ آباد سے کیا۔1989 میں جب وہ سرائے میر میں آئیں تو ان کے مطابق جیسے وہ کسی جنگل میں آ گئی ہوں۔ایک روز انہوں نے اپنے گھر کے باہر دیکھا کہ ایک باپ اپنے تیرہ سال کے بچے سے یہ پوچھ رہا ہے کہ اگر کہو تو تمہارا داخلہ اسکول میں کروا دیں تو ان کو بڑی حیرت ہوئی کہ اگر بچہ انکار کر دیگا تو وہ جاہل ہی رہ جائے گا۔اس واقعہ کے بعد سے ہی ان کی زندگی میں نیا موڑ آیا اور انہوں نے یہاں کے ماحول کو بدلنے کا ارداہ کیا اور اسی غرض سے انہوں نے سرسید گرلس اسکول کی بنیاد ڈالی۔جو کہ شروع میں صرف دوسری جماعت تک تھا، اور اس میں داخلہ لینے والی لڑکیوں کی عمر 13 سے 14 سال تک بھی تھی۔شروع میں طلبہ کی تعداد بہت کم تھی کیوں کہ سرائے میر کے لوگ عصری تعلیم کو بہت حقیر نظروں سے دیکھتے تھے۔ یہاں کے لوگوں کا ماننا تھا کہ تعلیم حاصل کر کے کیا کرنا ہے کھانا پکانا اور بچوں کی پرورش ہی تو کرنا ہے لیکن ان میں کچھ پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگوں نے ان کی اس مہم میں ان کا ساتھ دیا۔ان کا کہنا ہے کہ سرائے میر کے زیادہ تر لوگوں نے 1998 کے بعد تعلیم کی اہمیت کو سمجھنا شروع کیا اور اسکے بعد اچھا رسپانس ملا۔اس سے پہلے لوگ ان سے سوال کرتے تھے کہ کیا اگر ان کی لڑکیاں دو چوٹی نہیں کرینگی، جوتا موزہ نہیں پہنیں گی، انگریزی نہیں پڑھینگی تو ان کی شادی نہیں ہوگی؟۔نغمہ حنفی کو لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ ان کے والدین کی بھی ذہن سازی کرنی پڑتی تھی لیکن اب سرائے میر کے تعلیمی حالات میں قدرے تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔

Case - II

زینت کوثر صالحاتی، سرائے میر کی ایک اسلامی درسگاہ ''جامعۃ اصلاح البنات'' کی پرنسپل ہیں، انہوں نے جامعۃ البنات رامپور کے سے فاضلہ کی سند حاصل کی ہے اور سرائے میر کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی گزشتہ دو معیاد سے سرائے میر کے چیرمین ہیں۔

جامعیہ اصلاح البنات 1992 میں لڑکیوں کی دینی تعلیم و تربیت دینے کے مقصد سے قائم کیا گیا۔ ان کے مطابق جب یہ ادارہ قائم ہوا اس وقت سرائے میر کے لوگوں کا اسکے تیئں اچھا رجحان تھا لیکن وقت گزرنے ساتھ ساتھ اس جانب لوگوں کے رجحان میں کمی دیکھی جا رہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پہلے یہاں پر ہزاروں کی تعداد میں لڑکیاں زیر تعلیم تھی لیکن آج ان کی تعداد گھٹ کر 800 کے قریب رہ گئی ہے۔ اس کے پس پردہ کچھ وجوہات وہ بتاتی ہیں ان کا کہنا ہے کہ لوگوں کو اب یہ لگنے لگا ہے کہ دینی تعلیم سے زیادہ عصری تعلیم ضروری ہے، اور لڑکیوں کی تعداد میں کمی کی دوسری وجہ یہ بتاتی ہیں کہ لوگ درجہ پنجم تک تعلیم دلانے کے بعد جامعۃ الفلاح بلریا گنج اور جامعۃ البنات رامپور میں اپنی بچیوں کا داخلہ کروا دیتے ہیں کیوں کہ یہ اسکول آج بھی کہیں سے منظور شدہ نہیں ہے۔ انہوں نے بتایا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اس کی منظوری کیلئے کئی بار کوشش کی گئی، فارم آئے، بھرے بھی گئے لیکن آفس اور یونیورسٹی کے چکر لگانہ، متعلقہ حکام سے ملنا یہ سب چیزیں ان کے اختیار میں نہیں تھیں جس کیوجہ سے ابھی تک اس سمت میں کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہوسکی ہے حالانکہ اس اسکول کو شروع ہوئے تقریباً 18 سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اسکول کے اندر شروع سے ہی لڑکیوں کے لئے ہاسٹل کی سہولت ہے لیکن اس اسکول کی ابتدا جتنی بہتر ڈھنگ سے ہوئی تھی حالات اور زمانے کے ساتھ یہ خود کو تبدیل نہیں کر سکا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس اسکول میں تعلیم حاصل کرنے والی لڑکیوں کی تعداد کمی درج ہوتی جا رہی ہے۔

Case - III

حسنہ طارق، اعظم گڑھ کے ''نیشنل چلڈرین کالج'' سے بارہویں جماعت پاس کرنے کے بعد ڈراپ کر رہی ہیں کیوں کہ علی گڑھ میں میرٹ بیس پر ان کو بی ایس سی میں داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ ویسے تو حسنہ کو انجینئرنگ میں دلچسپی تھی لیکن گھر والوں کی مرضی کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ ان کے گھر والوں کے مطابق انجینئرنگ حسنہ کیلئے بیکار ہے۔ ان کے والد محمد طارق کے مطابق لڑکیوں کیلئے بہتر ہے کہ یا تو وہ ڈاکٹر بنیں یا پھر ٹیچر یا ریسرچ فیلڈ میں اپنی قسمت آزمائیں ، تکنیکی تعلیم ان کیلئے بیکار ہے اس میں ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ حسنہ کا کہنا ہے کہ انجینئرنگ کے نام پر ان کے دادا لاحول پڑھتے ہیں۔ حسنہ کا کہنا ہے ان کے دادا ان کی تعلیم کو لیکر کافی فکرمند ہیں لیکن اپنے اصولوں کے مطابق۔ سرائے میر جیسی جگہ پر بھی انہوں PCM کیلئے خصوصی تین ٹیوٹر کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ گھر والے اعلی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں لیکن جو وہ چاہتی ہیں گھر والے اس سے مختلف سوچتے ہیں۔ ابتدا سے ہی حسنہ نے اپنے گھر سے تقریباً تیس کلومیٹر دور اعظم گڑھ شہر جاکر مخلوط اسکول میں تعلیم حاصل کی (کیوں کے اس کے پاس گاڑی اور ڈرائیور کی سہولیات موجود تھیں) حسنہ نے دسویں جماعت میں (CBSE) اعظم گڑھ میں ساتویں پوزیشن حاصل کی لیکن 12 ویں جماعت میں وہ صرف 78 فیصد نمبرات ہی حاصل کر پائی۔ ان کے اسکول کے پرنسپل اور اساتذہ بھی اس بات کے خواہش مند ہیں حسنہ ایک ہونہار طالبہ ہے اور اس کو اس کی خواہش کے مطابق تعلیم دلائی جائے تو بہتر ہے، لیکن اس کے دادا اور ابو صرف اور صرف علی گڑھ ہی بھیجنا چاہتے ہیں کیوں کہ وہاں کا ماحول لڑکیوں کیلئے بہتر ہے۔ حسنہ کو اس بات کی شکایت ہے کہ اس کے بھائی نے کئی جگہ سے CAT اور MAT کا فارم بھرا اور ٹیسٹ بھی دیا لیکن اسکو کسی دوسرے ادارے میں فارم بھرنے کی اجازت تک نہیں ہے۔ حسنہ کا کہنا کہ سرائے میر میں کوئی اعلی تعلیمی ادارہ نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو اس کی فکر ہے اور جو لڑکیاں اعلی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہیں انکو دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

Case-IV

ریحانہ (رانی) سرائے میر کے گورنمنٹ اسکول ''راجکیہ بالیکا انٹر کالج'' کی دسویں جماعت کی طالبہ ہیں۔ان کے والد کا نام ریاض احمد اور ماں کا نام نگینہ بیگم ہے۔ریحانہ کے والد مؤاتر پردیش راجیہ وبھاگ میں کام کرتے ہیں اور اسکی والدہ سرائے میر کی ایک فیملی کے گھریلو کام کاج سے جڑی ہوئی ہیں، جہاں وہ بچپن سے ہی رہتی تھیں اور شادی کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری ہے کیونکہ ریحانہ کے والد نے بہانے سے ان کو (ریحانہ کے ساتھ جو کہ اس وقت چند مہینوں کی تھی) مائکے بھیج دیا اور پھر لینے نہیں آئے۔اس بیچ اس کی ماں کی صحت کافی خراب بھی رہی لیکن اس کے والد نے نہ تو ریحانہ اور نہ ہی اس کی والدہ کی کوئی خیر خبر لی،لیکن آج جب ریحانہ 18 سال کی ہوگئی ہے تو وہ اس کو اور اس کی ماں کو واپس لے جانے کیلئے کوشش کر رہے ہیں اب اس کے پیچھے ان کی کیا منشاء ہے کچھ پتہ نہیں۔ریحانہ اپنے والد کو والد نہیں مانتی بلکہ اپنے خالہ خالو کو والدین کا درجہ دیتی ہے،اور اپنی ماں کو وہ باجی کہتی ہے۔اسکے خالو ہی اسکے نگراں ہیں اور اس کی تعلیم سے لیکر تمام تر ضروریات کو یہی پورا کرتے ہیں۔وہ ایک مقامی بیڑی فیکٹری میں سیلس مین کا کام کرتے ہیں اور اپنے بچوں کے ساتھ ریحانہ کی بھی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ریحانہ کی ماں اپنی اکلوتی بیٹی کو تعلیم دلوا کر کچھ بنانا چاہتی ہیں اور کبھی اسے اپنے ساتھ دیگر کاموں میں مصروف نہیں کرتیں،لیکن شوہر اور بھائی کا ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہیں وہ تو اس بات کا شکریہ ادا کرتی ہیں کہ انکے بہنوئی نے ان کا کافی ساتھ دیا لیکن اب ریحانہ کا کہنا یہ کہ اسکے ابو (خالو) بھی اسے دسویں جماعت کے بعد تعلیم ترک کرنے کو کہہ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ضرورت بھر پڑھ لیا روزہ نماز کرو بعد میں یہی کام آئے گا اور چونکہ والدہ (خالہ) کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی گھریلو کام کاج دیکھو زیادہ پڑھ کر کیا کرنا جس کی وجہ سے وہ آگے پڑھنے کی خواہش رکھتے ہوئے بھی تعلیم ترک کرنے پر مجبور ہے۔

Case - V

شہناز بانو، جن کی عمر 33 سال ہے یہ ایک طلاق شدہ خاتون ہیں۔ان کے والد کا نام لال محمد ہے۔شہناز بانو نے اپنی ابتدائی تعلیم 9 ویں جماعت تک ممبئی میں حاصل کی اس کے کچھ سالوں بعد سرائے میر میں ان کی شادی ہوگئی۔ انکے شوہر دہلی کے ایک پانچ ستارہ ہوٹل میں ''ہیڈ شیف'' باورچی ہیں۔شادی کے کچھ دنوں بعد انہوں نے انکو ذہنی اور جسمانی اذیتیں دینی شروع کردی اور آخر کار نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔ان کے تین بچے ہیں ایک بڑا بیٹا اور دو بیٹیاں ہیں۔ایک کی عمر دس سال جبکہ دوسری کی 12 سال ہے۔ بیٹے کو سسرال والوں نے اپنے پاس رکھ لیا، ایک بیٹی کو بھی لے گئے لیکن اس بچی کے ساتھ ان کا رویہ اچھا نہیں تھا، جس کی وجہ سے وہ ان کے پاس لوٹ آئی۔لیکن انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور وہ اپنی اور اپنے بچوں کی بہتر طریقہ سے کفالت کررہی ہیں، ساتھ ہی اپنی دونوں لڑکیوں کو تعلیم بھی دلوا رہی ہیں۔ان کی دلی خواہش ہے کہ انکے بچے تعلیمی میدان میں نام روشن کریں جو کہ وہ چاہتے ہوئے خود نہیں کرپائیں۔لیکن ساتھ ہی ان بچیوں پر والد کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے سماجی اور معاشی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ان کے سامنے ایک دقت یہ ہے کہ سرائے میر میں اعلی تعلیم کیلئے نہ تو کوئی اچھا کالج موجود ہے اور نہ ہی ہاسٹل کی سہولیات دستیاب ہیں پھر بھی انکا کہنا ہے کہ جہاں تک ہوسکے گا وہ اپنی بچیوں کو اعلی تعلیم دلوائینگی تاکہ وہ ایک بہتر زندگی گزار سکیں اور ان کی لڑکیوں کو ان پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے جو وہ کررہی ہیں کیوں کہ ان کے والد اور بھائی نے تعلیم ترک کرواکے کم عمری شادی یہ کہ کر کردی کہ آگے پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے، کون سا قلم چلانا ہے۔

Case-VI

ڈاکٹرفخرانساء نے ''جامعہ ہمدرد'' سے (.B.U.M.S) کیا ہے۔ان کے والد کا نام منیر احمد ہے، وہ فوج میں تھے۔ڈاکٹرفخرانساء نے 1986 میں اپنے شوہر ڈاکٹر محمد آصف (B.U.M.S,MD Alig) کے ساتھ سرائے میر میں ایک اسپتال ''سرائے میر نرسنگ ہوم'' کے نام سے شروع کیا۔ان کا ارادہ شادی سے پہلے ہی پریکٹس کرنے کا تھا جس میں بعد میں ان کے شوہر نے پورا ساتھ دیا اور دونوں نے مل کر پریکٹس شروع کی۔ہاسپٹل مین روڈ پر ہونے کی وجہ سے لوگوں کا بہت اچھا رسپانس ملا۔ان کی خواہش تو یہی تھی کی کہیں شہر میں جا کر اسپتال قائم کریں لیکن ابتدائی دور میں مالی دشواری کے سبب سرائے میر میں کرائے کی بلڈنگ میں اسپتال کی شروعات کی۔لیکن آج وہ پوری طرح سے مستحکم ہیں۔اپنا اسپتال اور گھر سرائے میر میں موجود ہے اب یہاں سے کہیں اور جانے کے بارے میں سوچنے کے لئے موقع ہی نہیں ہے۔فخر النسا کے ایک بیٹی (نازیہ) اور ایک بیٹا (احسن) ہے۔بیٹی بھی انکے ساتھ پریکٹس کرتی ہے، جس نے بینا پارہ طبیہ کالج سے .B.U.M.S کرنے کے بعد اپنے ہی اسپتال میں پریکٹس شروع کردی۔ان کا کہنا ہے کہ جب اپنے ہی گھر میں سہولیات موجود ہیں تو کہیں اور کیوں جانا (حالانکہ انہوں نے خود دہلی اور ان کے شوہر نے علی گڑھ سے تعلیم حاصل کی ہے)۔اس کی کچھ وجوہات بھی وہ بتاتی ہیں اچھے ہاسٹل کی سہولیات مہیا نہ ہونا' ماحول کیسا ہو وغیرہ۔ان کا کہنا ہے کہ لڑکے تو کیسے بھی رہ کر پڑھ لینگے لڑکیوں کیلیے سوچنا پڑتا ہے۔انکا کہنا ہے کہ اگر سرائے میر میں کوئی اعلی تعلیمی ادارہ (میڈیکل کالج یا انجینئرنگ کالج) قائم ہو تو لوگ بلا جھجھک اپنی لڑکیوں کو تعلیم سے آراستہ کرا سکتے ہیں -

باب ہفتم

اختتامیہ

محاصلات

موجودہ مطالعہ کے مندرجہ ذیل محاصلات ہیں:

(1) سرائے میر کی 100 فیصد خواتین پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔

(2) حجاب لگانے والی خواتین میں 72 فیصد تعداد ایسی خواتین کی ہے، جنہوں نے 12 سے 14 سال کی عمر میں ہی پردے کا اہتمام کرنا شروع کر دیا۔ اور 24 فیصد نے 15 سے 17 سال کی عمر میں صرف 4 فیصد خواتین ایسی ہیں کہ جنہوں نے 17 سال کے بعد سے پردے کا اہتمام کیا۔

(3) جن خواتین پر پردہ کرنے کیلئے سب سے زیادہ دباؤ والدین کی جانب سے ہوا ایسی لڑکیوں کی تعداد 85 فیصد ہے۔ 6 فیصد لڑکیاں اپنے بڑے بھائی کے کہنے پر حجاب لگاتی ہیں اور 2 فیصد تعداد ایسی لڑکیوں کی ہے جن پر اپنے گھر والوں کا نہیں بلکہ سماجی کے لوگوں کا دباؤ ہوتا ہے صرف 7 فیصد لڑکیاں اپنی مرضی سے پردہ کرتی ہیں۔

(4) 95 فیصد تعداد ایسی خواتین کی ہے جو مکمل حجاب کا استعمال کرتی ہیں یعنی جس میں کہ ان کا چہرہ ڈھکا ہوتا ہے اور صرف 5 فیصد خواتین اسکارف اوڑھتی ہیں اور غالباً یہ کم عمر ہی ہونگی۔

(5) آس پاس کی 100 فیصد دوسری مسلم خواتین بھی پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔

(6) 98 فیصد خواتین کی دوستیں بھی حجاب کا استعمال کرتی ہیں اور صرف 2 فیصد اس کا استعمال نہیں کرتیں۔

(7) 51 فیصد خواتین اس بات سے اتفاق رکھتی ہیں کہ حجاب انکی زندگی میں مثبت اثر ڈالتا ہے اور معاشرے میں ان کو عزت و مرتبہ عطاء کرتا ہے اور صرف 3 فیصد خواتین اپنی زندگی میں حجاب کے کسی بھی اچھے پہلو کو ماننے سے انکار کرتی ہیں۔ ان کے مطابق حجاب ان کی زندگی پر منفی اثر ڈالتا ہے جبکہ 46 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ شریعت نے انہیں حجاب پہننے کا حکم دیا ہے اور وہ اس کی پابندی کر رہی ہیں۔ حجاب کا انکی زندگی پر مثبت اثر پڑتا ہے یا منفی انہیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں۔

(8) 62 فیصد خواتین اس بات سے اتفاق رکھتی ہیں کہ حجاب حالیہ سالوں میں فیشن کے طور پر سامنے آیا ہے' اور حجاب کو جدید اور دیدہ زیب شکل دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ جبکہ 38 فیصد خواتین اس بات کو نہیں مانتی کہ حجاب فیشن کے طور پر سامنے آیا ہے بلکہ یہ اسلامی احکامات کا ایک اہم حصہ ہے۔

(9) 20 فیصد خواتین حجاب پہننے کے بعد تعلیم حاصل کرنے میں اپنے آپ کو بااختیار محسوس کرتی ہیں اور 1 فیصد روزگار کے سلسلے میں اور ایک بڑی تعداد جو کہ 79 فیصد ہے خواتین کا ماننا ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے سے لیکر روزگار اور فیصلہ سازی میں بھی اپنے آپ کو بااختیار محسوس کرتی ہیں۔

(10) 90 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ حجاب پہننے سے ان کی تعلیم کے حصول میں کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ 10 فیصد کے مطابق حجاب کہیں نہ کہیں ان کی تعلیم میں رکاوٹ ہے۔

(11) 97 فیصد خواتین کا یہ ماننا ہے کہ انکے بھائیوں کو ان کی بہ نسبت اعلی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے اور صرف 3 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ اعلی تعلیم حاصل کرنے میں ان کو انکے بھائیوں کے برابر حق حاصل ہے۔

(12) 46 فیصد خواتین کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ اپنے ماحول کے مطابق دوسرے شہر جا کر اعلی تعلیم حاصل کر سکتی ہیں لیکن 54 فیصد یعنی کے نصف سے زیادہ خواتین کو اس کی اجازت نہیں ہے انہیں تو بس مقامی سطح پر جو تعلیمی سہولیات مہیا ہیں ان پر ہی اکتفا کرنا ہے۔

(13) 6 فیصد لڑکیوں کیلئے ایسی کوئی پابندی نہیں ہے وہ اپنی پسند اور خواہش کے مطابق کہیں بھی اور کسی بھی قسم کی درسگاہ میں تعلیم حاصل کر سکتیں ہیں اور 11 فیصد لڑکیوں کو ایسی جگہ جانے کی اجازت ہے جہاں لڑکیوں کا تعلیمی نظام الگ ہو جبکہ' 39 فیصد تعداد ایسی لڑکیوں کی ہے جنہیں صرف اسلامی درسگاہوں میں ہی تعلیم حاصل کرنے کی اجازت مل سکتی ہے۔ زیادہ تر یعنی کہ 44 فیصد تعداد ایسی لڑکیوں کی ہے جن کو کہ اپنے قصبہ سے باہر کسی بھی طرح کے اسکول یا کالج میں جانے اجازت نہیں ہے۔

(14) اگر سرائے میر میں ہی لڑکیوں کیلئے کوئی اعلی تعلیمی ادارہ قائم ہوتا ہے تو 96 فیصد لڑکیوں کو اس میں تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے اور صرف 4 فیصدی لڑکیوں نے اس سے انکار کیا ہے۔

(15) 13 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ اگر ان پر سے پردے کی پابندی ہٹادی جائے تو وہ زیادہ بہتر طریقے سے اعلی

تعلیم حاصل کر سکتی ہیں جبکہ 87 فیصد اس سے اتفاق نہیں رکھتیں۔

(16) 92 فیصد خواتین اس بات سے اتفاق رکھتی ہیں کہ ان کا معاشرہ اس بات کی سمجھ تو رکھتا ہے کہ اسلام نے با حجاب رہتے ہوئے عورت کو تعلیم حاصل کرنے کے حقوق دیئے ہیں جبکہ 8 فیصد کا ماننا ہے کہ ہمارا معاشرہ اس بات کی سمجھ ہی نہیں رکھتا اور شاید اسلئے اس کی اجازت بھی نہیں دیتا۔

(17) زیادہ تر غیر مسلم لڑکیوں کا تعلیمی میعار مسلم لڑکیوں سے بہتر ہے اور اسی لئے تقریباً 75 فیصد لڑکیوں کا ماننا ہے کہ غیر مسلم لڑکیاں تعلیم کے میدان میں ان سے زیادہ آگے ہیں ۔جبکہ 11 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ مسلم لڑکیاں تعلیمی میدان میں زیادہ آگے ہیں، اور 14 فیصد کے مطابق دونوں برابر ہیں۔

(18) 77 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ ان کا معاشرہ اس بات کی سمجھ رکھتا ہے کہ اسلام نے روزگار کے سلسلہ میں عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں جبکہ 23 فیصد کے مطابق ان کا معاشرہ اس بات کی سمجھ نہیں رکھتا۔

(19) 16 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ اگر وہ حجاب نہ پہنیں تو زیادہ بہتر طریقہ سے اپنی ذمہ داریاں ادا کر سکتی ہیں لیکن ایک بڑی تعداد میں خواتین اس بات سے اتفاق نہیں رکھتیں 84 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ حجاب پہن کر ہی وہ اپنی ذمہ داریاں بخوبی انجام دے سکتیں ہیں۔

(20) 32 فیصد مسلم خواتین مالی اعتبار سے زیادہ مستحکم ہیں اور 26 فیصد یہ کہتی ہیں کہ غیر مسلم خواتین، جبکہ 42 فیصد کا ماننا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کی مالی حالت یکساں ہے۔

(21) 30 فیصد خواتین کا ماننا ہے کہ ان کو بھی جنوبی ہندوستان اور بیرونی ممالک کے جیسے ہی مختلف شعبوں میں کام کرنے کی اجازت ہے جبکہ 70 فیصد اس بات سے انکار کرتی ہیں۔

(22) یہاں کے معاشرہ میں 12 فیصد لوگ ڈاکٹر، 28 فیصدی ٹیچر، 49 فیصد خاتون خانہ اور صرف 11 فیصد لوگ ایسے ہیں جو کہ کسی بھی کام کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

(23) 29 فیصد خواتین ڈاکٹری کے پیشے کو پسند کرتی ہیں جبکہ ایک بڑی تعداد میں یعنی کہ 55 فیصد جوابدہ کا پسندیدہ پیشہ ٹیچر ہے' اس کے بعد صرف 10 فیصد خواتین ہی خاتون خانہ کی ذمہ داری نبھانا پسند کرتی ہیں۔ اور 6 فیصد ٹیکنیکل پیشے سے وابستہ ہونا چاہتی ہیں۔

(24) 94 فیصد خواتین اگر ان پر دباؤ نہ بھی ہو تو وہ حجاب پہننا پسند کرینگی اور 6 فیصد اس بات کو نہیں مانتی حجاب کے تعلق سے ان کا نظریہ منفی ہے۔

(25) 45 فیصد خواتین کے مطابق حجاب تعلیم اور روزگار کے سلسلہ میں ان کی زندگی میں مثبت کردار ادا کرتا ہے جبکہ 11 فیصد خواتین کے ماننا ہے کہ حجاب تعلیم اور روزگار کے سلسلہ میں منفی اثر ڈالتا ہے اور 44 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ ان کو نہیں معلوم کی حجاب تعلیم اور روزگار کے سلسلہ میں مثبت اثر ڈالتا ہے یا منفی۔ حجاب تو ان کیلئے شریعت سے بیحد ضروری ہے اس لئے وہ اس کا استعمال کرتی ہیں۔

نتائج

اسلام نے مرداور عورت کوانسان ہونے اعتبار سے یکساں مقام عطا کیا ہے۔انسانی نوع میں جوعزت اوراہمیت مرد کیلئے ہے وہی عورت کیلئے تسلیم کی جاتی ہے قران نے عورت کو بہت عزت ومرتبہ عطا کیا ہے اصل مسئلہ قرآن سے لا علمی کا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہندوستانی سماج میں مسلم عورت کووہ عزت اور مرتبہ حاصل نہیں ہے جس کی مثال اسلام پیش کرتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کی یہ تعلیمات رفتہ رفتہ دوسرے مذاہب کے اثرات سے متاثر ہوتی رہیں اوراس سب سے بڑا ثبوت ہندوستانی سماج میں دیکھنے کوملتا ہے۔

مسلم خواتین اور حجاب کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے،اوراکثر یہ پایا گیا ہے کہ مسلم خواتین کے اعلی تعلیم کی حصولی اور اچھے روزگار سے وابستہ ہونے میں پردے کوکہیں نہ کہیں ذمہ دارٹھرایا جاتا ہے(خاص طور سے شمالی ہندوستان میں)اور چونکہ میراموضوع سرائے میر(اعظم گڑھ)سے متعلق ہے تو آئے دیکھتے ہیں کہ یہاں پرحجاب،تعلیم ،اورروزگار کے حوالہ سے کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں:

سرائے میر کے مسلمان شریعت کی پابندی اور پردہ کی اہمیت سے اچھی طرح سے واقفیت رکھتے ہیں اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ سرائے میر کی خواتین صد فیصد پردہ کا اہتمام کرتی ہیں ان میں 95 فیصد مکمل حجاب جبکہ 5 فیصد اسکارف وغیرہ کا استعمال کرتی ہیں۔ یہ کم عمرلڑکیاں ہیں۔ان میں 85 فیصد خواتین پر پردہ لگانے کا دباؤان کے والدین کی جانب سے ہوااور ایسااس لئے بھی ہے کیونکہ 12 سے 14 سال کی عمر میں پردہ لگانے والی لڑکیوں کی تعداد 72 فیصد ہے،تو ظاہرسی بات ہے اتنی کم عمر میں انہیں پردہ کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہوگااوروالدین ہی ان کوشریعت کی پابندی اورحجاب کی اہمیت واسکے فوائد بتائینگے۔روزمرہ کی زندگی میں حجاب کے مثبت پہلوکی جانب اشارہ کرنے والی خواتین کا کہنا ہے کہ حجاب معاشرے میں ان کوعزت ومرتبہ عطا کرتا ہے کیونکہ حجاب کوعورت کی عظمت وشرافت کی نشانی سمجھا جاتا ہےاور تقریباً نصف فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ حجاب کاان کی زندگی پرکوئی مثبت یامنفی پہلونہیں ہے بلکہ وہ شریعت کی پابندی کررہی ہیں۔کچھ خواتین حجاب کواپنی زندگی پرکسی اچھے اثرات کوماننے سے انکار کرتی ہیں۔ یہاں کی نصف فیصد سے زیادہ خواتین حجاب کوفیشن کے طور پربھی دیکھتی ہیں۔

تعلیم کے حوالہ سے اس مطالعہ میں یہ پایا گیا کہ خواتین کی ایک بڑی تعداد حجاب کو اپنی تعلیم میں روکاوٹ تو نہیں مانتی، لیکن بات جب اعلیٰ تعلیم کے حوالہ سے کسی دوسری شہر یا ہاسٹل میں رہ کر حاصل کرنے کی ہو تو نصف سے بھی زیادہ خواتین کو اس کی اجازت نہیں، اوران کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان کے بھائیوں کو ایسی کسی پابندی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ کیونکہ ان کو اپنی اوراپنے خاندان کی زندگی بہتر بنانے کیلئے اعلیٰ تعلیم تو حاصل کرنا ہی ہے۔ایک اہم پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ اگر لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کیلئے سرائے میر میں کوئی ادارہ ہوتو کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ سرائے میر میں غیر مسلم لڑکیاں تعلیمی میدان میں زیادہ آگے ہیں اوراس کی وجہ ہے کہ ان پر سماجی اور مذہبی پابندیاں نہیں ہوتیں اور یہ بات غور کرنے کی ہے کہ حجاب جس شکل میں وہاں موجود ہے وہ مسلم خواتین کی اعلیٰ تعلیم وترقی میں روکاوٹ ہے، (کیونکہ مقامی سطح پر کوئی اعلیٰ تعلیمی ادارہ نہیں ہے اور دوسری جگھوں کے آزادانہ ماحول اور بے پردگی کے ڈر سے یہاں کے زیادہ تر لوگ اپنی بچیوں کو دوسری جگہ نہیں بھیجتے) حالانکہ یہاں کے لوگ تعلیم کے حوالہ سے اسلامی نظریہ کی بہتر واقفیت رکھتے ہیں، لیکن اس کو اتنی اہمیت نہیں دیتے۔

حجاب اور روزگار کے حوالہ سے اس مطالعہ میں یہ پایا گیا کہ زیادہ تر خواتین کا کہنا ہے کہ وہ حجاب کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو زیادہ بہتر طریقہ سے ادا کررہی ہیں، کیونکہ حجاب ان کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور وہ اپنے آپ کو مستحکم محسوس کرتی ہیں، لیکن اس معاشرہ میں زیادہ تر خواتین کو روزگار کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ معاشرہ تقریباً نصف فیصد خواتین کو خاتون خانہ کی شکل میں دیکھنے کو پسند کرتا ہے نہ کہ ڈاکٹر ٹیچر یا کسی اور شعبے سے وابستہ۔ لیکن وہاں کی عورتوں میں صرف 10 فیصد ہی خاتون خانہ کی زمہ داری نبھانا چاہتی ہیں اور بقیہ 90 فیصد خواتین زندگی کے کسی بہتر شعبے سے وابستہ ہوکر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا چاہتی ہیں لیکن ان کی اندر چھپی صلاحیتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے کیونکہ معاشرے کی نظر میں خاتون خانہ کی ذمہداریاں ادا کرنا ہی ایک عورت کا اہم فریضہ ہے اور باقی دیگر کام لڑکوں کیلئے ہوتے ہیں اوراس طرح سے ان کی تعلیم وترقی حاصل کرنے کی خواہشوں کا استحصال ہوتا ہے۔ بلآخر یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ حجاب مسلم خواتین کی تعلیم اور روزگار کے سلسلے میں رکاوٹ نہیں ہے بلکہ سرائے میر کے مسلم معاشرے کی ذہنیت (تعلیم اور روزگار کے حوالہ سے) ذمہ دار ہے کیونکہ ان کا نظریہ لڑکیوں اور لڑکوں کی تعلیم وترقی کو لیکر منفرد ہیں اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو سرائے میر جسے کہ ''سنٹر آف اسلامک لرننگ'' کہا جاتا ہے وہاں پر لڑکوں کی طرح ہی لڑکیوں کیلئے بھی کوئی اعلیٰ

دینی تعلیمی ادارہ ہوتا۔سرائے میر کے زیادہ تر لوگ اپنی بچیوں کو دسویں یا بارہویں جماعت تک ہی تعلیم دلواتے ہیں، جس کے پس پردہ کچھ وجوہات ہیں جس میں کہ مالی مشکلات اور مقامی سطح پر اعلی تعلیمی ادارہ کا موجود نہ ہونا وغیرہ ہوسکتا ہے۔سرائے میر میں کئے گئے مشاہدے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہاں پر اکثر والدین اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ ان کے یہاں لڑکیوں کیلئے اچھا کالج ہونا چاہئے لیکن اس بارے میں غور کرنے اوراس کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کوئی آگے قدم نہیں بڑھا رہا ہے اوراس سے بھی اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ یہاں پر لوگ لڑکیوں کی اعلی تعلیم کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں۔

سفارشات

ایک تعلیم یافتہ عورت نہ صرف گھریلوں، سماجی ومعاشی اور دیگر زمہ داریوں کو بہتر ڈھنگ سے نبھا سکتی ہے بلکہ انسانیت کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ داخلی اور خارجی دنیا دونوں کو بہتر بنانے میں اپنا تعاون پیش کرتی ہے۔لیکن ہندوستان میں مسلمانوں کی شرح خواندگی پر نظر ڈالی جائے تو 2001 مردم شماری کے مطابق یہ اعداد وشمار سامنے آتے ہیں کہ 67.66 فیصد مرد اور 50.09 فیصد عورتیں خواندہ ہیں۔ یہ فرق اپنے آپ میں ہی زیادہ ہے، اس کے علاوہ مسلم خواتین دیگر مذاہب کی خواتین کے مقابلہ سب سے کم خواندہ ہیں۔ اور کچھ اس طرح کی صورتحال کی عکاسی سرائے میر کی مسلم خواتین کے حوالے سے بھی ہوتی ہے کیونکہ سرائے میر میں لڑکیوں کیلئے نہ تو عصری تعلیم کے حوالے سے اور نہ ہی دینی تعلیم کیلئے کوئی اعلی تعلیمی ادارہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مقامی سطح پر ہی مہیا دسویں اور بارہویں جماعت (پرائیویٹ) کے بعد تعلیم ترک کر دیتی ہیں، اس لئے ان کیلئے کوئی اچھا اعلی تعلیمی ادارہ یا کم از کم ایک معیاری اسکول اور کالج ہونا چاہئے۔

سرائے میر کے لوگوں کی اس سوچ میں بدلاؤ کی ضرورت ہے کہ زیادہ پڑھ لکھ کر کیا کرنا ہے گھریلو ذمہ داریاں ہی تو نبھانی ہیں۔ یہاں پر جس طرح سے حجاب کو اہمیت دی جاتی ہے اسی طرح سے تعلیم وترقی پر بھی زور دینے کی ضرورت ہے۔ تعلیم صرف مردوں کی اجارہ داری نہیں ہے یہ سوچ بھی بدلنی چاہئے۔ تاکہ لڑکوں کے ساتھ ہی لڑکیاں بھی تعلیمی میدان میں آگے آسکیں تبھی ایک ترقی یافتہ معاشرہ قائم ہوسکتا ہے۔

تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ وہاں کے معاشرے کی لڑکیوں کی تعلیم وترقی میں تنگ نظری کے باعث لڑکیاں بھی یہ سوچتی ہیں کہ ان کے بھائیوں کو اپنا مستقبل روشن کرنا ہے اسلئے ان کی تعلیم زیادہ ضروری ہے اور ان کی اس سوچ کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے۔

دینی تعلیم کے حوالے سے بھی ایک اعلی سطح کا منظور شدہ ادارہ ہونا چاہئے اور اس میں بہترین ہاسٹل سہولیات بھی مہیا ہونی چاہئے۔

روزگار کے حوالہ سے دیکھا جائے تو ہندوستان میں مسلم خواتین دیگر مذاہب کے مقابلہ سب سے نچلی سطح پر اپنی موجودگی درج کراتی ہیں اور غیر منظّم اداروں میں مسلمان خواتین کی تعداد زیادہ ہے اور اچھے شعبوں میں ان کی موجودگی کافی کم ہے جس کی ایک اہم وجہ تعلیم کی کمی بھی ہے۔ یہ سب ہندوستانی مسلمانوں کی سوچ کا نتیجہ ہے کہ خواتین کو بہتر تعلیم اور روزگار کے مواقع فراہم نہیں ہونے دیتے تا کہ اسلامی نظریات (حجاب وغیرہ) کا اس میں عمل دخل ہے کیونکہ اسلام تو مسلم خواتین کو معاشی طور پر مستحکم بناتا ہے اور انہیں سب کے پس منظر میں یہ بات بہتر طریقہ سے سمجھی جاسکتی ہے کہ سرائے میر میں بھی جب مسلم خواتین کیلئے بہتر تعلیمی مواقع نہیں تو ان کی ترقی بھی بہتر طریقہ سے نہیں ہوسکتی اس لئے ضرورت ہے کہ سرائے میر میں جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے لڑکیوں کیلئے اچھے تعلیمی ادارے مثلاً ٹیکنیکل کالج، میڈیکل کالج اور اعلی درجہ کے دینی ادارے قائم کئے جائیں تا کہ یہاں کی مسلم خواتین کو تعلیم کے ساتھ بہتر روزگار فراہم ہوں اور یہاں کے مسلم معاشرے کے ساتھ ساتھ ملک کی ترقی میں بھی اضافہ ہو۔ جو خواتین غیر منتظم اداروں میں کام کرتی ہیں ان کیلئے سرکاری وغیر سرکاری تنظیموں کو آگے آنا چاہئے تا کہ ان کی صلاحیتوں میں اضافہ ہو اور ان کی معاشی حالت بھی بہتر ہو سکے

کتابیات

کتابیات

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، (2009)، ''پردہ'' ، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشر، نئی دہلی-25۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، (2008)، ''اسلام میں عورتوں کا درجہ اور اسکے حقوق فرائض''، جامعہ المومنات اسلامیہ لکھنؤ۔

ڈاکٹر ذاکر نائک، (2007)، ''اسلام میں خواتین کے حقوق۔ جدید یا فرسودہ؟''، فرید بک ڈپو پرائویٹ لمیٹیڈ، نئی دہلی-2۔

حافظ صلاح الدین یوسف، (2006)، ''عورتوں کے امتیازی مسائل''، مکتبہ الفہیم، مؤناتھ بھنجن، یوپی۔

ڈاکٹر شاہد نوخیز اعظمی، (2010)، ''دبستان شبلی کی فارسی خدمات''، الانصار پبلی کیشنز، حیدرآباد۔

ثریہ بتول علوی، (1993)، ''اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ''، اسلامک بک فاؤنڈیشن، نئی دہلی۔

عاصم نعمانی، (1995)، ''اسلام میں خواتین کا کردار''، اسلامک بک فاؤنڈیشن۔

مائل خیرآبادی، (2003)، ''اسلامی ریاست میں عورت کے حقوق''، نیو کریسنٹ پبلشنگ کمپنی بلی ماران، دہلی 6۔

افتخار فریدی (2003)، ''عورت ماں بہن اور بیٹی''، خان پبلشر کوچہ چیلان، نئی دہلی 2۔

صغرا مہدی، ''ہندوستان میں عورت کی حیثیت''، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔

ڈاکٹر محمد رفیع الا اسلام ندوی (2006)، ''مسلمان عورت کا دائرہ کار''، اسلامک بک فاؤنڈیشن 1781 حوض خاص، نئی دہلی 2۔

سید جلال الدین عمری، (2003)، ''عورت اسلامی معاشرے میں''، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔

Bibliography

Sayyid Abul A'la Maududi,(Januray 2008),"Purdah and the Status of Woman in Islam", Markazi Maktba Islami Publishers,Delhi.

Zoya Hasan,Ritu Menon,(2004), "Unequal Citizens" Published by Oxford University Press, New Delhi.

Maulana Sayyid Abul A'la Maududi,(2009), "Purdah"(Urdu), Markazi Maktba Islami Publishers,Delhi .

Mishra R.C,(2006),"Women in India towords Gender Equality Worldwide Circulation through Authrospress",Global Network,laxmi Nagar,N Delhi,92.

Shriwadkar Swati,(1998), "Women and Socio Cultural Changes",Gyan Publishing House, New Delhi,2.

Sayyid Jalaluddin Umri,(2004),"The Right of Muslim Women An Appraisal", Markazi Maktaba Islami Publishers, New Delhi,25.

Devaus D.A.,(2003), "Surveys in Social Research", Rawat Publications Jaipur & New Delhi.

Singh J.P.,(1996), "The Indian Women Myth & Reality", Gyan Publishing House, New Delhi.

Archana Chaturved,(2004)Muslim Women from tradition to modernity,Common Wealth Publishers N Delhi

Agrwal,S.P&Aggrwal,J.C,(2006)"Women Education in India",CICIL Publications.

John Mary,(2008)"Women Studies in India",Penguin Books,India.

Syed Mutawalli,(2003)"Hijab or Niqab",Islamic Book Trust.

Desai,Neera,(1987), "Women and Society in India",Ajanta Publication ,Delhi.

Asghar Ali Engineer(Ed.),(1995),"Problem of Muslim Women in India",Orient Longman ,Hyderabad.

Askin,Kelly D.and Koeing Dorean M(Eds.),(1999)"Women and International Human Right Law",Transnational Publishers,New York.

Devendra,Kiran,(1985),"Status and Position of Women in India ",Vikas Publishing House,New Delhi.

Kusum,(Ed.),(1993),"Women March Toward Dignity-Socio Legal Perspectives",Sage Publications, New Delhi.

Mrs Marcus B. Fuller,(1984),"The Wrongs to Indian Womanhood",Inter India Publications New Delhi.

Nanda B.R(Ed.),(1976),"Indian Women from Parda to Modernity",Vikas Publishing House, New Delhi.

Qurshi,M.A,(1995),"Muslim Law of Marriage,Divorce and Maintenance",Deep and Deep Publications, New Delhi.
Raychoudhary S.c.,(1986),"History of Muslim India1000 A.D to 1526 A.D",Bharatiya vidya Bhawan .
Thomas,P.T,(1975)"Indian Women Through the Ages",Asia Publishing House, Bombay.
Afkhami M.,(1995),"Faith and Freedom:Women's Human Rights in the Muslim World",IB Taurus,New York.
Ahmed,L.,(1992)"Women and Gender in Islam:Historical Roots of A Modern Debate",Yale University Press.
Khalidi,O.,(1995),"Indian Muslims Since Independence"Vikas Publishing House, New Delhi.
Siddique,Z.,and Zuberi,A.,(eds),(1993)"Muslim Women:Problems and Propects",MD Publications,New Delhi.
Govt. Of India.(2008),"Social,Economic and Educational status of the Muslim Community of India",Sachar Committee Repoprt ,Nov.2006 ,New Delhi.
Govt. of India,(2008),"Equal Opportunity Commission" Minority of Minority Affairs ,Feb.2008,New Delhi.
Census of India (2001),The First Report on Religion.
google92.com/urdu-section/urdu article-Hijab.
Indo Asian/News Service/newsx.com
www.Wikipedia.org
www.twocricles.net
Website of Up. Govt.

ضمیمہ جات

LOCATION OF UTTAR PARADESH

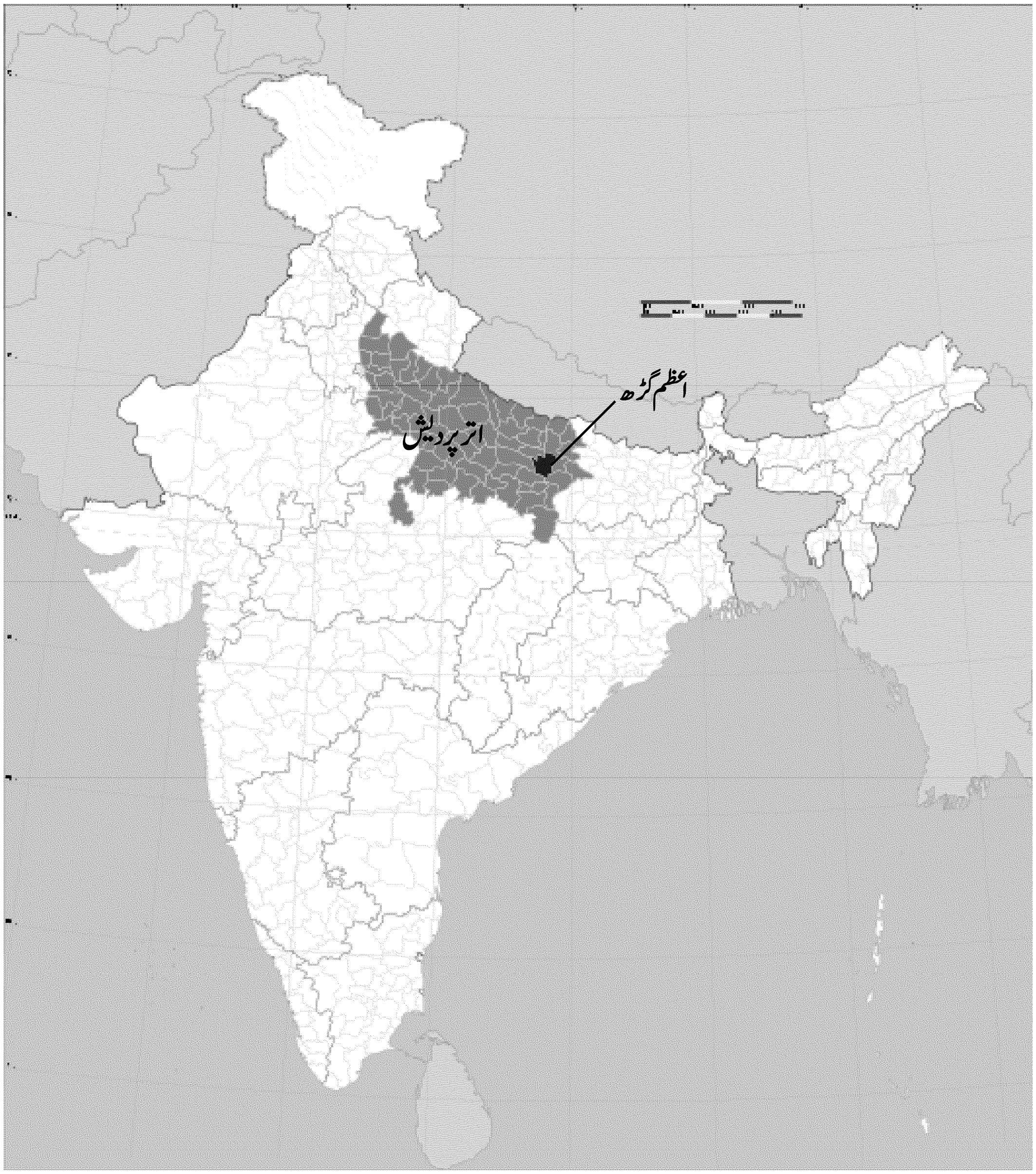

LOCATION OF AZAMGARH
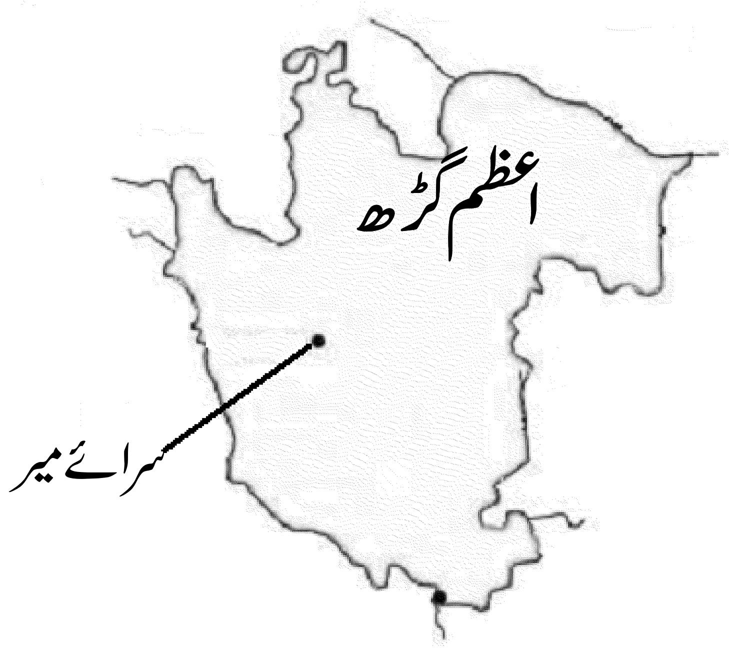
LOCATION OF SARAIMEER